

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224341

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. *N 91500* Accession No. *14000*

Author *D. S. S. S. S.*

Title *History of the ...*

This book should be returned on or before the date
last marked below.

دو نایاب زمانہ بیاضیں

اور ان کا انتخاب

عبدالباری، آسی

سنہ ۱۹۴۲ ع

ہندوستانی اکیڈمی، یو۔ پی، الہ آباد

[اكتوبر سنہ ۱۹۳۷ء اور جنوری سنہ ۱۹۳۸ء کے رسالہ ”ہندوستانی“

میں یہ مقالہ مضمون کی صورت میں شائع ہو چکا ہے - اب نافرین کے
سامنے کتابی صورت میں پیش ہے -]

مقدمہ

دو نایاب زمانہ بیاضبی اور اُن کا انتخاب

[از مولوی عبدالباقی، آسی]

آثارِ قدیمہ کے تحفظ پر دنیا میں ایک معقول رقم خرچ ہوتی ہے۔ اس تحفظ کو صرف ایلٹ پتھروں کی دیواروں، کیم خوردہ کاغذ اور کتابوں کی حفاظت، کہنا ایک صریحی غلطی ہے؛ بلکہ اس سے ہماری قومیت، ہمارے مذہب، ہمارے تمدن، ہماری تہذیب، ہماری معاشرت، سہاست، غرض کہ ہر چیز کا راز معلوم ہو کر بدو خلقت سے سلسلہ عروج و کمال کی زنجیر، اس قدر مضبوط اور مربوط ہو جاتی ہے کہ پھر کسی کڑی کے کم ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ وہ امتداد ایام کے گراں سے گراں تر بوجھ سے بھی نہیں ٹوٹ سکتی۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے سے قرونِ ماضیہ کی زندہ اور متحرک تصویریں، ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں، جس کے نتیجے میں موجودہ معاشرت اور تمدن کے ہر شعبے میں ترقی کی گنجائش پیدا ہو کر نئی راہیں نکلتی ہیں۔

ادب و زبان کا تحفظ، شعر و نظم کی نگہداشت کو بھی مصرعی نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ شعر کو لہجہ سے تو وہ ایک اُٹھلہ ہے، جس میں ہر چیز کا عکس صاف صاف نظر آتا ہے۔ ہر دور کے رسوم و عادات، مذہبیات، لباس، زیور، عمارت، سامان خورد و نوش، آلات جنگ، بزم، رزم وغیرہ؛ غرض کہ ہر وہ چیز جس سے انسانی زندگی کا تھوڑا سا تعلق بھی ہے، وہ ہر دور کے شاعر کی شاعری میں بہ آسانی مل جاتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ زبان کے تدریجی منازل اور مراحل کا بھی نقشہ کھینچنا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقادوں نے شعر کو ملکہ علم قرار دینے ہوئے یہ دلیل قائم کی ہے کہ شعر ہی وہ چیز ہے، جس کے اندر تمام علوم و فنون کا جوہر ہوتا ہے۔ اسی لیے شعر کو ہر موقع اور محل پر زور کلام کے لیے صرف کیا جاتا ہے۔ جب ایک مقرر اپنی تقریر میں معلومات عامہ کے دریا بہا دیتا ہے۔ فلسفے اور سائنس میں سمونی ہوئی داستانیں پیش کرتا ہے، جب ایک واعظ، علوم عقلی و نقلی، حکمت و آپہیات، اخلاق و تصوف کے نکات سے سامعین کو محو حیرت بناتا ہے، تو وہ ہر جگہ اپنے بیان کو مستحکم بنانے اور اپنا زور کلام بڑھانے کے لیے، شعر و شاعری ہی کو اپنا مدد و معاون بنانا اور کوئی دل میں ٹھہر کرنے والا شعر، پیش کرتا دھتا ہے۔ ایک بہادر، ایک شجاع، رجزخوانی کر کے اپنی اور اپنے خاندانی پیشرووں کی داستان کو اشعار کے ذریعے سے پیش کر کے حریف پر اپنی عظمت کا سکھ بٹھا دیتا ہے۔ ایک نقیب جوشیلے اشعار سنا کر اپنی فوج کو غنیمت کی فوج کے خون کا پیاسا بنا دیتا ہے۔ اور اسی طرح شعر سے بہت سے وہ کام لوئے جا سکتے ہیں، جو طاقت انسانی سے باہر ہیں اور شعر ہر اُس جگہ مدد کرتا ہے، جہاں آدمی اپنے مایہ بساط کو ختم کر کے عاجز آ جاتا ہے۔ پھر جب

یہ سب کچھ ہے، تو کیا ہمارا فرض اولین نہیں ہے کہ ہم اس گراں بہا خزانے کے موتیوں کو ایسا محفوظ کر دیں کہ ہمیشہ کے لیے نہ بھی سہی، تو بھی ایک معتدبہ مدت تک کے لیے یہ چھڑیں، غدار زمانے کی دست بُرد سے محفوظ ہو جائیں۔

یہ سچ ہے کہ قدردانانِ شعر اس راز سے بے خبر نہیں رہے۔ اور انہوں نے تاریخِ شعرا کو تذکرے کی صورت میں منتقل کر کے ہر دور میں اس خدمت کو ہمدردانہ طور پر ادا کیا۔ اور اس طرح نہ معلوم کتنے باکمالوں کو زندہ جاوید بنا دیا۔ ہم اُن مورخین کے احسان سے فیضانِ حاصل کر رہے ہیں، اور کرتے چلے جائیں گے۔ مگر کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس سعیِ پیہم کے بھی انسانی کارش اور جد و جہد کبھی ناکامی اور ناتمامی کے بدنما داغ کو اپنے دامنِ عقل و فکر سے مٹانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ انسان کی ایک کارش، دوسری کارش کی اور اُس کی ایک کوشش، دوسری کوشش کی ہمیشہ محتاج رہی۔ وہ نظرِ فانی کے غم سے کبھی بے نیاز نہیں ہوا۔ اور اُس کی سعیِ الہیانہ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کمی رہ گئی۔

شعرا کے جدید و قدیم تذکرے، بہت سے موجود ہیں۔ مگر شائد کسی تذکرہ نویس کو یہ کہنے کا موقع نہیں مل سکا کہ یہ نقشِ آخر ہے، اور اس کے بعد کسی رنگین نوائی کی ضرورت اور گنجائش نہیں رہی۔ اب تک یہی ہوتا رہا ہے، اور شائد یہی ہوتا بھی رہے گا۔ اول تو دنیا بھر کے باکمال شعرا کو کوئی جمع ہی نہ کر سکا۔ دس کا ذکر کیا تو دس چھوٹ گئے، یا اُسی دور میں دس کا اور اضافہ ہو گیا، اور اُسی صورت سے نقشِ ناتمام ناتمام ہی رہا۔

اس کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے، تو وہ بہت سے معلوم ہوتے

ہیں - مثلاً تذکرہ نویس جب تذکرہ لکھنے لگا تو اگرچہ اُس کے نزدیک بہت سے لوگوں کا فضل و کمال تو ضرور مسلم تھا، مگر جامع تذکرہ کی نظر اُن کے کسالت تک پہنچ نہ سکی - یا پھر زمانے نے اُن شریعوں کو ایسا چھپا دیا کہ کسی طرح اُن کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ ہی نہ سکا - اِس کے علاوہ اکثر وہ ہیں کہ اُن کی شہرت ہوئی، اور اُنہیں جامع تذکرہ نے سمجھا بھی، مگر پھر بھی کسی خاص وجہ سے اُن سے اعراض و اغماض کیا گیا - جیسا کہ مولانا آزاد نے آبحیات میں مومن کو اول اول میں نظر انداز کر دیا تھا - یا پھر زمانے کے ظلم و ستم کے باب میں یوں اضافہ ہوا، کہ اُن مشاہیر کا یا صرف نام معلوم ہوا یا بڑی کوشش اور جستجو کے بعد دو چار مشہور مشہور شعر دستغیب ہو سکے - اِس کے سواے اُن کی ہر کا تمام کا تمام سرمایہ ضائع ہو کر رہ گیا - اِس کی مثال میں، میں مہر ضاحک کو پیش کرتا ہوں - ظاہر ہے کہ اُنہوں نے جس رنگ میں بھی کی ہو، عمر بھر شاعری کی - اور پھر جب عمر بھر شعر کہا تو کہا کچھ، اُن کے یہاں نہ ہوگا، سودا سے عمر بھر اُن کے مجادلے، مطارحے اور مشاعرے، جاری رہے - مگر آج دو ایک شعروں کے ماسوا، اُن کی کوئی یادگار باقی نہیں - آزاد نے لکھا ہے کہ سودا کے کہنے سننے سے، خود مہر حسن نے اس کو ضائع کر دیا؛ اور وہ ہمیشہ کے لیے ناپاب ہو گیا - خود مہر حسن نے دو ایک شعر لکھ کر یہ کہہ دیا ہے کہ اُن کا کلام لکھنے کے قابل نہیں، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ آج اگر کسی صورت میں بھی، کلام ضاحک ہم کو مل جائے تو وہ قابل قدر ہوگا -

اِس کے سوا بعض ایسے شعرا بھی ہیں، جن کا کلام مل نہ گیا ہے؛ مگر بہت سی وہ چیزیں جاتی رہیں، جن پر خود اپنے دور حیات میں شاعر کو ناز رہا ہے -

میں آپ کے سامنے، نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم کے تذکرہ شمع انجمن کو پھس کرنا چاہتا ہوں۔ جب مرحوم نے یہ تذکرہ لکھا، تو اگرچہ اُس میں یہ التزام نہ رکھا گیا تھا، کہ تمام تر ادیبوں اور شاعروں کا ذکر آ جائے؛ صرف مشہور مشہور، قدیم شعرا اور معاصرین کا ذکر مد نظر تھا، مگر پھر بھی جامعیت کا خیال رکھا گیا تھا۔ تذکرہ، مرتب ہو گیا تو شعراے قہاکہ اور بے لالہ نے توجہ دلائی کہ ان لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لہذا اِس کو بھی شامل تذکرہ کر دیا جائے، مگر وقت گزر چکا تھا؛ تذکرہ مکمل ہو کر چھپ گیا تھا، اب کسی طرح یہ موقع نہ تھا کہ اُن لوگوں کو بھی اِس میں داخل کر دیا جائے، مگر یہ فروگزاشت بھی ایک بڑی فروگزاشت تھی؛ اِس لیے نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے نواب نورالحسن خاں صاحب نے اُس کلام کو ترتیب دیا۔ اور ایک چھوٹا سا تذکرہ نگارستان سخن کے نام سے جمع کر کے چھپوایا اور بطور ضمیمہ، شمع انجمن میں شامل کر دیا۔ مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ کاملین کا کلام ضائع نہ ہونے پائے؛ اور وہ تلاش کرنے والوں کو دستیاب ہوتا رہے۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۹۲ھ میں تمام ہوا۔ اِس کے بعد نواب علی حسن خاں مرحوم کو تذکرہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور یہ مصداق ”اگر پدر نتواند پسر تمام کلد“۔ انہوں نے بھی تذکرہ، موسوم بہ صبح گلشن لکھا، جس میں چند خوشگوییوں کا ذکر تو ضرور مکرر آ گیا، باقی تمام وہ لوگ جمع کیسے گئے، جن کا نام و کلام شمع انجمن اور نگارستان سخن میں نہ آیا تھا۔ یہ تذکرہ سنہ ۱۲۹۵ھ میں لکھا گیا۔ اِس کے بعد مولوی مظفر حسین صبا ابن مولوی محمد یوسف علی نے ان دونوں تذکروں میں اِس کمی کو محسوس کیا کہ یہ تذکرے ناتمام ہیں؛ اسی لیے انہوں نے باقی ماندہ شعرا کے حالات اور کلام جمع کر کے تذکرہ روز روشن لکھا۔ اِسی کے متعلق وہ

رہا تھا ۔

مولانا سعید انصاری صاحب، ایڈیٹر رسالہ ہندوستانی کا ایک مکرر نامہ موصول ہوا، اور مہری توجہ کو ادھر مہذول کہا، کہ جو مضمون بہ صورت مضمون شائع ہو چکا ہے، اُس کو ادارہ کتابی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہے۔ اُن بھانصوں کے عکس تحریر کے لیے ایک ایک دو دو ورق بھیج دئے جائیں کہ عکس لے کر اور کتاب میں شامل کیا جا سکے۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُن الفاظ قدیم کی، جو اِس مضمون کے قدیم اشعار میں مستعمل ہوئے ہیں، ایک فرہنگ بھی بنا دی جائے۔ میں بعض عوارض اور اپنی کم فرصتی کے سبب سے مولانا کے اِس ارشاد کی تعمیل سے عرصے تک معذور سا رہا۔ اور اب اُس کو اچھا خاصا ڈیڑھ دو برس کا زمانہ گزر گیا۔ اِس کے بعد خود ادارہ کی طرف سے بھی ایک حد تک سکوت رہا، اور مجھے بھی خیال نہ رہا۔ مگر ۸ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء کو مولانا نے یہ لکھ کر مجھے پھر خواب غفلت سے چونکایا۔

”عرصے کے بعد آج آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ نایاب پھانصوں والا مضمون بلا مقدمے کے پڑا ہے، آپ نے نہ مقدمہ تحریر فرمایا اور نہ فرہنگ، غالباً زکام و نزلہ اتنا لمبا نہ ہو گا۔ اب براہ کرم ادھر توجہ فرمائیے اور مہری درخواست پوری کر دیجیے۔“

میں نے تعمیل ارشاد پر آمادگی کا جواب فوراً دے دیا، مگر یہ سوچتا رہا کہ آخر اِس کا مقدمہ کیا لکھوں۔ اگر ادارہ قدیم سے لیکر دور موجودہ تک زبان و شعر کی تدریجی ترقی اور تبدیلیوں کا ذکر کروں تو وہ خواہ کارآمد ہی کہوں نہ ہو، مگر ہے بڑی پرانی اور فرسودہ چیز، نہ معلوم کتنی مرتبہ کن کن محققوں کی، اِس مسئلے پر نگاہیں پڑی ہیں اور کئے سو مرتبہ یہ کہانی دہرائی جا چکی ہے۔ اور کتنی

مرتبہ لوگ اس افسانہ کہن میں نمک مہچ لٹا کر بہر بہان کریں گے - اسی لیے اس کو بالکل فضول سمجھ کر چھوڑ دیا ، مگر پھر کہا کہا جائے - ضروری اور پختے کی باتیں مضمون کے اول میں لکھی جا چکی ہیں - اس لیے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کے لکھنے کے بعد ، جن جن شعرا کا حال اور کلام جمع کر سکا ہوں ، پیش کر دوں اور یہ مضمون مکمل سے مکمل تر ہو جائے -

چونکہ ادوار کے طور پر ترتیب میں زیادہ دقت اور طوالت ہو گی اس واسطے ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھی گئی -

اسان

اصل نام ، مولوی اسان علی تھا - اور غالباً لکھنؤ کے رہنے والے تھے - اگرچہ ان کی غزلیں یا اور اصناف کلام مجھ کو دستیاب نہیں ہو سکیں ، مگر ایک کتاب ، اختصار القواعد جو صرف و نحو کے قواعد میں نظم میں لکھی ہے ، مل سکی ؛ کتاب کے دیکھنے سے مصنف کے باکمال ہونے کا پتہ چلتا ہے - زبان نہایت آسان اور سلیس ہے - یہ کتاب انہوں نے اپنے لڑکے واجد حسین کے لیے لکھی تھی ، میرے کعب خانے میں اس کا ایک نسخہ ہے ؛ یہ آتش وغیرہ کے دور کے شاعر معلوم ہوتے ہیں - مگر کسی تذکرے میں ان کا ذکر نہیں مل سکا - نمونے کے لیے حمد کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :-

حمد ہے پہلے ہم کو اُس کی ضرور جس نے کُن سے کہا ہے سب کا ظہور
 کر دئے خلق مہجدہ عالم دین و دنیا کو کر دیا قائم
 بے ستوں آسمان بلند کیا عقل کو ذنگ کر دیا اس جا

آب پر خاک کو جمایا ہے طرفہ نقشہ یہ کر دکھایا ہے
چاند، سورج، ستارے، جتنے ہیں سب اُسی نور کے یہ جلوے ہیں
جن و انسان و دیو و حور و پری دیکھو سب میں ہے طرفہ جلوہ گری
امیر معروف نہیں اور منکر کیا تعلیم سب کو سر تا سر
ہے گا کل فعلوں کا وہی فاعل گر نہ سمجھے کوئی تو ہے جاہل
لہک ہے شرط امر لاوے بجایا تا بروز قہام پائے جزا
چاہئے اُس کے حکم سے اے دل، ایک لحظہ رہے نہ تو فافل
یاد اُس کی نہ ہووے تجھ سے دور اُس کی طاعت میں ہو نہ ذرہ قصور

بسمل فیض آبادی

نام محمد جواد، عرف مرزا اللہ، تخلص بسمل، مذہب شیعہ،
فن طب کے ماهر، حکیم علی حسین خان کے صاحب زادے، فیض آباد کے
دھنے والے، مہر کے معاصر اور دوست تھے۔ سنہ ۱۲۱۹ھ تک زندہ تھے۔ ہر
صنف سخن میں ان کا کلام موجود ہے۔ خصوصیت سے دو مثنویاں جو
ہمارے نزدیک اودھ کی سب سے پہلی مثنویاں ہیں، اُن میں سے ایک
کا نام حسن و عشق ہے؛ اور دوسری کا پارسا نامہ، اُن سے یادگار ہیں۔
اور اُن میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مثنوی پارسا نامہ مہر تقی
مہر کے ساتھ شریک ہو کر لکھی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مہر صاحب
نے بھی اُن کی پوری مدد کی ہے۔ چنانچہ بسمل نے ایک جگہ اعتراف
کیا ہے، اور کہا ہے:—

یہ بسمل جو ہے شمع محفل فروز لکھی کتنی بیتیں ہیں یہ سیلہ سوز
سو دس پانچ ہیں مہر کی دوستان نہاں نہیں کہا، کر دیا وہ عیاں
اُن شعروں سے دو نتیجے نکلتے ہیں، کہ مہر صاحب کی امداد یا

تو یوں ہوئی کہ انہوں نے ان کی مثنویوں کے لیے شعر کہے یا پھر مہر صاحب کی کسی مثنوی سے انہوں نے یہ شعر انتخاب کر لیے - بہر حال یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کے مہر صاحب سے تعلقات تھے - یا یہ مہر صاحب کے زبردست عقیدت مندوں میں تھے -

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ بسمل کی مثنوی پارسا نامے میں کئی غزلیں ایسی ہیں، جو یہاں بسمل کے تخلص سے لکھی گئی ہیں، اور مہر صاحب کے کلیات میں یہ ادنیٰ تغیر، مہر صاحب کی معلوم ہوتی ہیں - اس کے متعلق ہم رسالہ 'اُردو' جنوری سنہ ۱۹۳۹ء میں کافی بحث کر چکے ہیں - یہاں بسمل کی دونوں مثنویوں کے کچھ نمونے درج کیے جاتے ہیں - اور بعد کو کچھ غزلیں لکھی جائیں گی -

یہ دونوں مثنویاں، مصنف کے قلم کی لکھی ہوئی، میرے کتب خانے میں موجود ہیں - ان میں سے مثنوی پارسا نامہ ۱۲۱۳ھ میں تمام ہوئی اور مثنوی حسن و عشق ۱۲۰۳ھ میں -

نمونہ از مثنوی حسن و عشق

خدا سے طلب و عشق

دعا کرتا تھا نت حق سے وہ شیدا	کہ عشق و حسن ہی کا تجھ سے پیدا
تو ہے سر چشمہ فیض و فتوت	تو ہے کان سخا بھر مروت
مبجے کر عشق کی مے سے تو مغمور	وہ عشق صادق ہی کا منظور
آمد آیا ہے ابر از غرب تا شرق	مبجے بھی بھر مے میں کردے تفرق
پھر حضرت عشق کی جانب کیا رو	قسم پر سو قسم دینے لگا رو
سیہ مستی گھٹا کی تو نظر کر	یہ آتی ہے چلی دوش ہوا پر

پھرے پلکوں کی اور سب کی نگاہ سبھی چشم پر اس کی چشم سیاہ
شہید اسکی چشمک کے دل خستگان ہدف میں نگاہوں کے دل بستگان

چتون

کہوں اسکی چتون کا کیا تم سے طور کہ ہے وہ قیامت ' قیامت پہ اور

بھلی وغیرہ

ہے اُس لطف بھلی کا دشوار ' فہم ہے بازیگ بھلی پہ درکار فہم
جھمکتا تھا کیا ہائے رنگ قبول وہ مکھڑا ہے جسے کہ لالے کا پھول
ہے نتھ اُس کی جوں حالے گرد ماہ ہے چاہ زرخداں کی اس کو بھی چاہ
لٹکتے ہیں اُس میں جو دُر خوشاب چمک دیکھ زہرا ہے در پیچ و تاب
وہ مُردوں کو زندا دوبارا کرے مسیتھا جہاں سے کنار کرے
پری ' ملنعل رنگ رخسار سے خجمل کبک ' انداز رفتار سے
خضر تشنہ ' اُس کے ہی دیدار کا مسیتھا مرید اُس کے بیمار کا

گوں

دم شوخی گوں اشارے صبح ہیں گوشوں کے گوہر ستارے صبح
بُنا گوں جب اُن نے دکھلا دیا نظر ' صبح کا سا سماں آگھا

دھن

دھن تلکی سے بات کوتاہ ہے نکلتی نہیں رات کی راہ ہے
ہے نشگفتہ فلچہ سے بھی وہ کم جو ہمدیم ہو کوئی گل ' ہے اُس پر ستم

زبان

ہے وہ برگ گل سے بھی ہلکی زباں ہیں گل بوٹے ہر بات کے درمیاں
کہوں کہا کہ ایسی ہے کم شیریں گو زباں کاش وہ میرے ہی منہ میں ہو

لب

وہ لب ہیں گے گلہرگ یا لعل ناب کہوں اُن کی توصیف ' کیا ہے گی تاب

لب سرخ اُس کے وہ گلبوگ تر چھپیں جس میں دندان کی ساک گہر
 کہ جب کھاوے وہ بھڑکا پان کو نہیں رو ہے تب لعل و مرجان کو
 نہیں دیکھی ہے ایسی رنگیں لبی تھک پڑتا ہے رنگ گویا ابھی
 رکھے جو کوئی اُن لبوں ہی سے کام نہ لیوے وہ قند اور مصری کا نام
 حلاوت اُنہوں کی جو کچھ کھئے اب نہ ہووے جدا ہمدگر لب سے لب
 تبسم سے ہو لعل کے دل کا خوں جو کوئی ہلستے دیکھے ہو اُس کوچلوں

دندان

ملے جب کہ دندان سے مسی وہ ماہ ہو خلدان جوں برق ابر سیاہ
 اگر کھچے ہو اس زنج کا وہ سیب تو آسیب بھائے جٹوں جھانکے جھب
 ہے پرکار خوش ایسی کب کوئی پری مجال ہے کی کہا کوئی کرے ہمسری

گردن

ہے گردن میں اس کی نہا اک فسوں کہ گردن کش آگے ہیں اُس کے نگوں

سینہ

بالمندی پہ ایسا ہے سینہ نمود اُتھے طور سینا کے سینے سے دود
 کلول ہینکے اور یا وہ ہینکے حباب و یا دو ہیں وہ پارک ماہتاب
 یہ خوبی میں ہے وہ نظر گاہ خرب کہ یوسف سا محبوب وہاں جائے قروب

شانہ دست ساعد

وہ شانہ وہ بازو وہ ساعد وہ دست جہاں دست بستہ ہو ہر ایک مست
 کف دست پر حسن دریا کا جوش رکھے جس کے سینے پہ آڑ جائے ہر دھ

شکم

شکم کی کوئی خوبی اب کہا کرے صفائی پہ اُٹھتے اُس کی مرے

کمر

کمر اُس کی جو مو سے باریک تھی وہ ہارمیک بھلوں سے باریک تھی

نہیں ہے یہ ممکن کہ وہ پائے جائے مگر علم غیب ہو کسو کو تو پائے
اگر لچکے وہ تو قیامت پڑے قیامت تلک پھر ندامت پڑے

پائے

پڑی گفتگو پائے جاننا سے اب یہ تو خاک میں ملنے کا ہے گا تھپ
جو پندلی ہے نازک سو ہے شام گل بھرے رنگ سے پشت پا اُس کی کُل
مثنوی کے بعد ' ہم بسمل کی غزلوں میں سے صرف ایک غزل بطور
نمونہ پیش کرتے ہیں:—

غلیبت جانو جو دم میں مہیاں ' ہم کوئی دم کو کہاں پھر تم ' کہاں ہم
تمہارے قدر سے گونگے ہو رہے ہیں نہیں تو ' منہ میں رکھتے ہیں زباں ہم
نہ گل ہم کو دیا ' نے کچھ نمر بھی کسی لائق نہ تھے اے باغبان ' ہم
نکھ کرنا نظر آوے پہاڑ اب یہاں تک ہو گئے ہیں ناتواں ہم
بغیر از گریہ جو آتا ہے گاہ نہیں رکھتے ہیں کوئی مہرباں ہم
نہ وعدہ وصل کا نے قتل کا قول سو کس اُمید پر ہوں شادماں ہم
عجب ہی شغل میں کتنی ہیں راتیں کریں کیا تجھ سے اے بسمل ' یہاں ہم
بسمل نے اور اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے ' مگر یہاں
نمونہ کلام کے لیے شائد اس قدر بہت کافی ہے -

جری

مرزا سرفراز علی نام ' مرزا نوازش علی ابن مرزا فضل نگر بیگ زمہدار
محمود نگر ' لکھنؤ کے صاحبزادے تھے - اور برق لکھنوی ' تلمیذِ ناسخ مرحوم
سے مشہور سخن کرتے تھے - تذکرۂ سخن شعرا میں ان کا ایک شعر
درج ہے -

ڈالیں سے اسکے ہمتی نہیں ایک دم کبھی مثل جری ہے عاشقِ دوے نکار ' زلف

اِس ایک شعر کے ماسوا، کسی تذکرے میں نہ اِن کا ذکر ہے اور نہ کلام، مگر مہرے کتب خانے میں ایک بیاض ہے، جو سنہ ۱۲۳۹ھ سے پہلے کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ اور اب بھتد شکستہ ہو گئی ہے؛ اُس میں اِن کا کلام موجود ہے، جو نقل کیا جاتا ہے۔

دروازے میں وہ رکھ کے قدم گھر پلت گیا لو، پھر گئے نصیب مقدر اُلٹ گیا
باتوں سے آپ کی دل و ارفقہ بہت گیا تیغ زباں سے رشتہ محبت کا کٹ گیا
اے ترک معرکے میں قدم تو نہ ہٹ گیا پاپوہ سے، اگر سر شوریدہ کٹ گیا
اُٹے ہو جانکنی میں عیادت کے واسطے سیدھے ہوئے ہو جبکہ مرا دم اُلٹ گیا
گھسوکا ہلنا زھر مرے حق میں ہو گیا مار سیاہ کات کے گویا پلت گیا
محکم نشیں کو دل کی تڑپ نے دکھا دیا جھونکے سے مہری آہ کے پردا اُلٹ گیا
پتھر سے بھی زیادہ دل اس صدم کا سخت جو تیر آہ میں نے لگایا اُچٹ گیا
سہ سہ کے سختیوں کو میں فولاد ہو گیا جیسے لگایا نہمچہ اُس نے، اُچٹ گیا
اے ترک راستے در دولت کے بند ہیں ہر ایک کچھ گڈج شہیدان سے پت گیا
ایسے ہوائے دختر رز نے اُڑائے ہوئے پیر مغاں سے بے ادبانہ لہٹ گیا
خواہیں کہ ال وصل عروس اجل کی ہے دل زندگی سے فرقت جانان میں ہٹ گیا
بوسے کے مانگنے سے کہے ہ وہ بتدر حسن پھیلا جو ہانہ، دامن دریا سمت گیا
دست جنوں ازل سے ہے چالاک واعظا مدت ہوئی کہ نامہ اعمال بہت گیا
اب کوہ فم اُٹھائے نہیں جاتے اے پری جب سے بواہے ضعف مرا زور گھٹ گیا

سوداے زلف میں جو توپنے لگا جری

دامان دشت، جھپ کے مانند بہت گیا

میر حسن

مہر حسن کے سوانح اور حالات لکھنا، اِس لیے بھکار ہیں کہ وہ قریب

قریب تمام تذکروں میں پائے جاتے ہیں مگر اُن کا مکمل کلام نہ شائع ہوا اور نہ سوائے دو تین مجموعوں کے مل سکا؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ اُن کا جس قدر کلام، مطبوعہ کے علاوہ ملے، اس کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ ہم ایک مثنوی خوان نعمت پیش کرتے ہیں۔ جو اب تک کہیں طبع نہیں ہوئی۔ اور جس میں مصنف نے وہ کمال دکھایا ہے جو مثنوی کے لکھنے میں اُن کو حاصل تھا۔ یہ مثنوی غالباً ایک خط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس میں اُن کہانوں کے اوصاف بہ تفصیل پیش کیے ہیں جو شاہی دسترخوان پر موجود ہوتے تھے۔ حسن بیان کا یہ عالم ہے کہ اب تک نام سننے والوں کے منہ میں پانی بھر آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

(خوان نعمت)

کہ گویائی کی طاقت ہے یہاں طاق	کہوں کہا میں ثنا و حمد رزاق
ہماری ہر طرح کی دستگیری	لگا غفلت سے تا ایام پیوری
پدر مادر کو رکھا ہم یہ شہدا	کہا جس دن سے اُسے ہمکو پیدا
نوالے ہم کو سونے کے کھلائے	انہوں نے رات دن قم آپ کھائے
ہوئی کچھ عقل کی پونجی دکان میں	سنبھالا ہوش جب ہلے جہاں میں
کھلائے جس نے نعمت کے نوالے	کہا پھر ایسے آقا کے حوالے
کہ بحر بخشش اس کا دے بہا دُر	سو وہ کون، آصف الدولہ بہادر
کرے اک روز جا کر دیگ شوئی	کہ اُس کے مطابخ عالی میں کوئی
و لیکن وہ کبھی ہووے نہ بھوکا	زمانہ ہو اگر کیسا ہی سوکھا
کہ اتنی خوبیاں ہیں اُس کے دم سے	دکھ آباد حق اُس کو کرم سے
سدا آئے ہے اپنے خوان نعمت	کرے کس واسطے کفران نعمت
گزرتی ہے سدا لذت سے اپلی	زباں دھتی ہے خوش نعمت سے اپلی
بہت آتے ہو۔ مشفق ہم کو تم یاد	ہماری نعمتوں کی کون دے داد

اِسے سچ جانو تم خود ہو دانا
 نہ کھانے پر تمہارے حیف کھائے
 مگس کی طرح ہر کھانے پہ پھرتے
 قرینے سے رکھے کھانے لگا کر
 ہرنگ نثر نعمت خان عالی
 ہر اک عالم میں اپنی قطع کا باغ
 ملبب قسلیاں بورانیوں کی
 ہوا اک تختہ چھں زعفران زار
 اُتاریں ہانہ جن اوپر سلامی
 بھریں دم فاختہ جن کا کہ ' کو کو
 کہ دریائی کباب اُن کے نمکخوار
 ہوئے مردود جن کے آئے شامی
 ہر اک کتلے میں سو باریک بھنی
 کہ تھی وہ تم سے مومن کو کھلانی
 جسے خورشید کھاوے دیکھ کر شرم
 نہ پاوے جس کی لذت ہر تذک ظرف
 شفق میں جیسے سورج کی کتوری
 بجھا ہے گر کرے وہ لن ترانی
 جہاں ہو توسن رقبت کو مہموز
 کہ جن سے بہ چلے گھی تر ترا کر
 تلے کہسار کے ہو چاندنی جوں
 کہ جیسے ماہ نورانی کا عالم
 تلادے گوشت کے بھی اور سادے

خصوصاً جب چُنا جانا ہے کہانا
 پر اک دن تو نہایت یاد آئے
 جو تم ہوتے تو فحش کھا کھا کے گرتے
 بچھا جس وقت دسترخوان آ کر
 نہ تھا گوشہ کوئی لذت سے خالی
 بلاؤ زیر بریانی و قور داغ
 وہ بشتابیں بھری بریانیوں کی
 بلاؤ میں رکھا زردا جو اکبار
 چلے دوپہازے اور قلیے تمامی
 کباب اقسام کے رکھے وہ ہر سو
 سلونی اور تلی مچھلی مزیدار
 حسینی وہ کباب اعلیٰ و نامی
 پلہروں کی ہر اک سو نیم چھلی
 قبولی تھی عجب اسلام خانی
 حلیموں کے طبق جاتے ہوئے گرم
 وہ تلکی اور نمک براق جوں برف
 دمی وہ صاف اور قفلی وہ کوری
 جس ارنی کی دمی کا ہو نہ ثانی
 وہ شہ کاسے بھرے آشوں سے لبریز
 دھرے وہ قورمے اُن پر سراسر
 نمود آہی زیر قورمے یوں
 عجب تھا اُس میں بورانی کا عالم
 دھرے پکوان ہر سو اور تلادے

کہ جب کھولو تو برباس اُن کی گُل میں
 جو قابض تھے سو اپنی قورمیں تھے
 محل لطف سے مشہور محلی
 کہ حیراں اُسبہ سب چھوٹے بڑے تھے
 دمی چورنگ کے جلوہ کداں وہ
 قلم کی جوب چٹخارے بھرے ھے
 کہے دل ہاتھ کو جن پر کہ جا پڑ
 اور اُس میں رائی کے چھٹکے ستارے
 زباں ہی بھید جانے جس کے سر کا
 سو تھے وہ سولے روپے کے نوالے
 وہ اپنے منہ سے یہ جوتا نہ کھوے
 نمک خوروں میں جس کے لاکھ انسان
 لگا مولیٰ سے ہر اک با قرینہ
 چُنا صنعت سے اور کترا سراسر
 اگر چہرو تو جوں ریشم کی جالی
 روئی کے جھسے گالے ہلکے پھلکے
 سو آئے تھے وہ بادامی قبا پہن
 سموت از نان نعمت ہفت رنگی
 کہ جلکی ہو چمک سے چاند بھی ماند
 کہوں کس کس کا عالم تم سے بھائی
 کہلے یا جھسے نسرین گلستاں
 کہ جھسے زرد گل داؤد دیوں کے
 کہ زردی پر ہنسے جن کی نوالے

وہ بُہرتے اور ترکاری کے دُلمیں
 جو سُربے تھے سو اپنے شور میں تھے
 عجائب زیر بریاں نور محلی
 مصالح دار وہ تحفہ بڑے تھے
 وہ بھونی کچھڑیاں اور چٹلیاں وہ
 جب اُس کا وصف لکھنے کو کرے ھے
 وہ سوندھے گُرگُرے ساتھ ان کے پایو
 وہ شلغم جس کے کتلے ماہ پارے
 عرق نعنای تھا اور تحفہ وہ سرکا
 مثل کہتے ہوں وہ جو کہنے والے
 مہرُس جو کہ ان چھڑوں کا ہووے
 وہ لاکھی چار پھالے کے نمکداں
 پلہر و ادراک و پہاڑ و پودینہ
 مرّبا اور اچار اور لہوے تر
 خمیری روغنی اور شیرمـالی
 چپاتی گرم اور ستھوڑے وہ پھلکے
 وہ باقرخانیاں جن کا ہوا پہن
 پلہری سے لگا تا نان سنگی
 وہ پھلے خوانچے فرنی کے جوں چاند
 سموسے اور نچلاوے مٹھائی
 پھالے کھہر کے جوں ماہ تاباں
 وہ تحفہ خوانچے ماقوتہوں کے
 دھڑے خوشبو مزعفر کے پھالے

وہ ماقوتی وہ فرنی مل کے باہم
وہ حلویہ رشک یاقوتی و معجوں
جدا اک طرف اندوں کا رسالا
خطائی اور کسبچ اور گاو دیدے
وہ تکرے دودھ کے پکے ہوئے سرد
ملائی کے پھالے اور مسکے
وہ شربت اور پن بھتے وہ خوشبو
دھوے مہوے تھے ایسے خشک اور تر
ملہائی روشن الدولہ کے یہاں کی
اگر سحبان بھی اُس وقت ہوتا
اگر اُس وقت نعمت خان بھی آتے
یقین ہی جانہو، اے میرے غمخوار
تمہارا ہی تصور مجھ کو آیا
جو تم ہوتے تو کیا کیا لطف پاتے
عبث تم کیوں گئے یہ چھوڑ کر ساتھ
کہا تم نے جو یاراں کا نہ مانا
کہا مانو وہاں خفت نہ کھاؤ
خفا مت ہو چھو اس مدعا سے

دکھائی تھی گل نرگس کا عالم
دوانا جن کا بقراط و فلاطوں
لگے اپنے رسالے کا رسالا
روے کے خشخشی ستھرے ملہدے
گدا لذت یہ جن کی ہر زن و مرد
زبانوں میں ہیں اب تک جن کے چسکے
کہ تم سے شخص پھویریں جسکو دھودھو
نظر کو جن سے لذت ہو سراسر
چہرہ و کونسے جسے مصری بھی جہانکی
تو دیوان ایسا شربت میں بھگوتا
تو اک استت نیا کھانے کا گاتے
تمہارے بن جو دیکھے ہیں یہ گلزار
تمہاری یاد میں سب کچھ بھلایا
نوالے کھسے کھسے تم اُٹھاتے
جو یہاں ہوتے تو پھیلانے نہ تم ہاتھ
یہاں یہ سن کے اب افسوس کھانا
یہاں یہ نعمتیں ہیں، جلد آؤ
ہے تھٹھا مجھ میں اور تم میں سدا سے

حسن کے جو سخن سے حظ اُٹھاوے

خدا روز اُس کو یہ نعمت کھلاوے

تمام شد

مثلولی مذلولہ کی رفعت و بلندی اسی بات پر منحصر ہے کہ انہوں نے کہانوں کی ایسی تفصیل پیش کردی ہے کہ شائد وہ ان شاعروں کے قلم اور دل و دماغ سے ممکن نہیں جن کو اس قسم کے سفرۂ عام اور خزانِ نعمت پر زانو بچھا کر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مہر حسن کی دو تین مغلویاں اور بھی ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں؛ اور وہ مہرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ مگر ان میں فحش الفاظ سے اجتناب نہیں کیا گیا اور اسی وجہ سے اس مجموعے میں شامل ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

خورشید

خوش وقت علی خاں نام داؤد علی کے بیٹے تھے، تھانے داری کے عہدے پر مستعار تھے۔ اصل میں اکبر آباد کے رہنے والے تھے مگر جب کانپور آئے تو رشک شاگرد ناسخ سے تسلط اختیار کیا۔ پھر لکھنؤ پہنچے تو برق کے شاگرد ہوئے۔ تذکرۂ سخن شعرا میں ان کے تین شعر اور نو شعر تذکرۂ خمخانۂ جاوید میں درج ہیں۔ خمخانہ میں لکھا ہے کہ آٹھ نو شعر سے زیادہ کی غزل نہ کہتے تھے مگر ہماری بیاض میں ایک غزل ۱۸ شعر کی درج ہے۔ یہ سنہ ۱۸۳۰ع تک زندہ اور نواب فرخ آباد کے یہاں ملازم تھے۔ اس غزل کا کہنی شعر کسی تذکرے میں نہیں ہے۔ غزل کے ایک شعر میں برق و ناسخ کے اتباع کا بھی ذکر ہے اور مہر کو بھی لپیٹ لیا ہے۔

ہو تصور ابروئے بے پیر کا	آنکھ میں دورا رہے شمشیر کا
سب بجا لڑیں تری فرمائشیں	عطر کھچواڑوں کل تصویر کا
کہتے ہیں شکر لب و دندان نہیں	شہد کی موجھیں ہیں دریا شہر کا
پیچ بالوں کے نکالے وصل میں	رات بھر گچھا کھلا تصویر کا
تم نے سہلے کو نہانہ کر دیا	ٹک گیا چھکن پہ دستہ تھر کا

عشق مڑاں مہن جو ہوگی سرکشی بہیم دوڑے منجہ پہ دستہ تہر کا
 تم دریچے مہن جو بہتے ہو خسوہی جانتا ہوں چوکھٹا تصویر کا
 جان کی بازی لگا دی، او صلم، گلچنہ کھلا، تری تصویر کا
 پھوٹ نکلا بید مجلوں کا درخت بو دیا دانہ مری زنجیر کا
 اپنی حدوت پر اگر روتا ہوں مہن کہتے ہیں وہ ابر ۛ تصویر کا
 او ہم خوبی، ترا خط بہار دام ۛ ماہی کا فڈ گہر کا
 کھل گیا منجہ پر شکست رنگ سے چہچہا تھا بلبل تصویر کا
 ہوگیا ۛ جان جاں، کشتوں کا دھیر پل بندھا آب دم شمشیر کا
 رخت عریانی پہ ٹانگوں اے جلوں بھل سمجھوں، سلسلہ زنجیر کا
 برق کا مضمون ۛ، ناسخ کا ثبوت بہت ابرو مہن، مزا ۛ مہر کا
 خاک بلبل آب گل پیدا کروں اس چمن مہن قصد ۛ تعمیر کا
 چاندنی مہن آپ کھلچو اٹھیں شہیم ماہ بھی، آئینہ ہو تصویر کا

لکھ گیا خورشید خط بندگی

مہن ہوا قائل تری تستخیر کا

سپہر

میر محمدی نام، میر مہدی عرف، شاہ علی کے بھتی، محسن مولف
 تذکرہ سراپا سخن کے بھانجے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے۔ مولف تذکرہ
 شعرا کا بیان ۛ کہ صاحب دیوان گزرے ہیں۔ ممکن ۛ کہ کسی وقت
 دیوان جمع کیا ہو، مگر غالباً چھپا نہیں اور کلام ضائع ہوگیا۔ ۱۲ شعر
 مولف سخن شعرا نے اور ۱۳ مولف خستخانہ جاوید نے نقل کئے ہیں؛ مگر
 یہ غزل جو ہم بھاض سے نقل کرتے ہیں، کسی مہن نہیں ۛ۔ وہی قدیمی
 رنگ جو ناسخ کا اختراع کیا ہوا ۛ، ان کے یہاں بھی موجود ۛ۔

عزیزو عشق ہے اس لالہ رو کے خال شبگوں کا
 تعجب کیا جو مجھ کو ذوق ہے اس درجہ افیوں کا
 نہیں مجھ کو عشق خط و چشم و خال شبگوں کا
 نہ شوق بنگ ہے، نے عشق ہے، نے ذوق افیوں کا
 دم فکر سخن جو ہے تصور زلف شبگوں کا
 یہی ہے جال اے صیاد، گویا مرغ مضمون کا
 کریں بالکل تصرف اُس کو اے سیمیں نلوں، تم پر
 ہمارے ہاتھ آ جائے اگر سب مال قاروں کا
 چلے تم دو قدم کیا، حشر گویا ہو گیا بریا
 اٹھ قبروں سے مردے، صور اسرافیل نے پھونکا
 ہمیں اے شعلہ رو، بے وجہ تو ہر دم جلاتا ہے
 ہے شائد کان میں تیرے کسی نے کچھ نہ کچھ پھونکا
 جہاں دیکھو وہاں میرا تمہارا ذکر ہوتا ہے،
 کوئی اب نام بھی لیتا نہیں، فرہاد و مجنوں کا
 جو مے پیتا عوض اُس کے تو کیفیت اٹھانا کچھ
 جو خالی خُم میں بیٹھا، کام کیا نکلا فلاطون کا
 شفیق بن کر عیاں ہوتا ہے دونوں وقت گردوں پر
 فلک شاہد ہے او قاتل، سپہر خستہ کے خوں کا

شُرر

مرزا آغا حسن ولد آغا محمد فیض آبادی مقیم لکھنؤ، انہی کے
 شاگرد تھے اور بقول سخن شعرا صاحب دیوان گزرے ہیں، مگر نہ کہیں
 دیوان کا پتہ ہے، نہ کلام کا، چار شعر تذکرۂ خمخانہ میں اور دو شعر

سخن شعرا میں ہیں اور بس، مگر جو غزل بھاض سے ہم نقل کر رہے ہیں
 اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے کہنہ مشق اور زبان و روزمرہ کے ماہرین
 میں تھے - یہ غزل دونوں تذکروں میں نہیں ہے -

زمانے کی ایذا میں جھپٹے ہوئے ہیں
 یہ پاؤں بہت اپنے بھلے ہوئے ہیں
 تجھے جب سے نظروں میں تولا ہے، میں نے
 پہاڑ اپنی نظروں میں تھپلے ہوئے ہیں
 غم ہجر ہمدرد ایذا ہوا ہے
 اکھلے تھے اب ہم دوکھلے ہوئے ہیں
 عذاب لحد سے اُنہیں خوف کیا ہے
 جو کڑیاں شب غم کی، جھپٹے ہوئے ہیں
 ترا حال کیا اُن سے اے دل میں کہتا
 کسی وقت بھی وہ اکھلے ہوئے ہیں
 یہ خوشرو نہ تھے ایسے طفلی میں بدخو
 یہ پھل اور پک کر کسٹھلے ہوئے ہیں
 بہت زلف میں کر چکے موشگافی
 یہ دورے ہمارے اکھلے ہوئے ہیں
 ادھر تفل کا داؤ وہ دھونڈتے ہیں
 ادھر جان پر اپنی کھیلے ہوئے ہیں
 بہت روح مجنوں کا ہے پاس ہم کو
 کہ ہم اور وہ ساتھ کھیلے ہوئے ہیں
 غم ہجر کی نال اُٹھائی ہے برسوں
 ہمارے بھی یہ دنک پھلے ہوئے ہیں

سمت کر ہوئی ہے وہیں جمع خلقت
 گیا ہے جہاں یار، مہلے ہوئے ہیں
 شرر خاک اپنے نصیبوں کو روؤں
 قلعے زر کے متنی کے قہیلے ہوئے ہیں

کریم اللہ بیگ، شفا

مرزا کریم اللہ بیگ نام، تخلص شفا، انور علی بیگ لکھنؤی کے صاحب زادے تھے، لکھنؤ ہی میں قیام تھا، برق کے شاگرد تھے - مولف تذکرۂ سخن شعرا نے غلطی سے ان کا نام مرزا کریم بیگ لکھا ہے، مگر بیاض میں ان کا نام کریم اللہ بیگ لکھا ہے - اور چونکہ یہ ایک معاصر کی مرتب کردہ ہے، اس واسطے یہی زیادہ معتبر ہے؛ اس کے علاوہ مرتب بیاض بھی لکھنؤ ہی کے دھنیے والے تھے - ان کا بھی دیوان جمع ہو گیا تھا، مگر خیال ہے کہ شائع نہیں ہوا - مرتب سخن شعرا نے صرف دو شعر نہایت پھیکے لکھے ہیں، ہم کو یہ کلام دستیاب ہوا -

فیصلہ بوسوں کا کر لو کہ پھر انکار نہ ہو
 کوئی گنجیگ نہ دے، وقت پہ تکرار نہ ہو
 مہندی ملنے سے کہیں، رنگ حنا بار نہ ہو
 بار کاکل سے کہیں خم، کسر یار نہ ہو
 باغ میں دیکھنا نرگس کا برا ہے، او گل
 کہتے ہیں سامنے بیمار کے، بیمار نہ ہو
 ضعف فرقت سے، دیکھیں جسم کی زنجیریں ہیں
 ہنسلی گردن کی، کہیں طوق گرانبار نہ ہو

نانوایں ایسا ہوں، ہجر کمر جانایں میں
 شکل ہمزاد، کہیں مہرا تن زار نہ ہو
 شب کو سودے میں یہی رہتا ہے دھوکا ہر بار
 غل سے زنجیر کی وہ بت، کہیں بیدار نہ ہو
 بات دیوانوں کی سن لو نہ اکیلے نکلو
 خوف آتا ہے پری سایۂ دیوار نہ ہو
 خوف آتا ہے شفا، سن کے خفا ہو نہ صنم
 راز اُس جا کہوں جس جا در و دیوار نہ ہو

یکتائی پہ ناز جب کیا ہے	آئینہ اُسے دکھا دیا ہے
شکوا ہے نہ اب نہ کچھ گلا ہے	جو تم نے کیا وہی بجا ہے
کیا یار کے جسم کی صفا ہے	آئینہ ہر ایک نقش پا ہے
دے گھڑکیاں جھڑکیاں بجا ہے	یہ دل کے لگانے کی سزا ہے
او دست جلوں، کرے گا کیا تو	خاک در یار اب قبا ہے
اُز آرزو کے گیا ہے نامہ اُس تک	قاصد کو جو پوچھو تو صبا ہے
نام اُس کا جو پوچھو، ہمروت	پوچھو جو لقب تو، بیوقا ہے
آیا نہ ہیں زلزلہ زمیں پر	لاشہ میرا تڑپ رہا ہے
گھیسو کو نہ چھپو دیکھو رخ کو	جاؤ گے ختن میں تو خطا ہے
بتلا دوں کہوں تو خال رخ کا	گھیسو کو نہ پوچھو، بد بلا ہے

کیا ہجر بتاں میں ضعف آیا

آنسو میں عرق جو اے شفا ہے

پلڈت بشن فاقو، صبر

لکھنؤ کے رہنے والے اور کشمیری الاصل پلڈت تھے، نہایت مشاق خوشگو تھے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ قصائد، غزل، قاریح وغیرہ کے بڑے ماہر تھے۔ اور ریاست رام پور میں ملازم تھے۔ ان کا ایک صحیح کلیات، غالباً انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا، میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اُس میں نثر و نظم دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ ہر صنف سخن میں خوب خوب جوہر طبع دکھائے ہیں۔ نواب کلب علی خان بہادر کے عہد میں ملازم تھے۔ اُن کی مدح و ثنا اور رام پور کی بہت سی عمارتوں وغیرہ کی تعریف میں، قصائد، تاریخوں اور نثریں، لکھی ہیں۔ اب تک کلام کہیں شائع نہیں ہوا۔ سنہ ۱۳۰۱ھ تک زندہ تھے۔ سرشار وغیرہ کے معاصر تھے۔ ان کے اردو کے کچھ منتخب کلام کو درج کرنا کافی سمجھا گیا۔

دربرو فیروں کے کب وہ مسکرا دیتے نہیں

آنش فہرت سے کب مجھ کو جلا دیتے نہیں

زور کیا کیا نالہاے دل دکھا دیتے نہیں

گلاب گردوں کو ہم کس دن ہلا دیتے نہیں

خوبرو ہوسہ لب جاں بخش کا دیتے نہیں

ہیں مسہکتا، پر مریضوں کو شفا دیتے نہیں

ماہرویوں کو دل عاشق دکھانا یاد ہے

گالہاں محفل میں کب وہ برملا دیتے نہیں

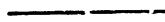
درد و غم سرہنگیاں کرتے ہیں میرے غم کیساتھ

محفل عشرت میں جانے کی رضا دیتے نہیں

درد پہلو، داغ سہنہ، زخم دل، سوز جگر
 کون سی خواہش مری باقی ہے کیا دیتے نہیں
 لاکھ دھونڈھا موت نے پایا نہیں میرا پتا
 خاک میں اسطرح اے ظالم ملا دیتے نہیں
 دل کے بھر جانے سے ہوتا ہے صفائی کو زیاں
 دیدۂ تر بے سبب آنسو بہا دیتے نہیں
 میری بربادی کو آندھی ہیں حسینان جہاں
 کب مرا نقش تن خاکی مٹا دیتے نہیں
 خاکساری خوشنما ہے اے دل نادان، ولے
 آپ کو اتنا بھی مٹی میں ملا دیتے نہیں
 بھر تسکین آرزومند لب جاں بخش کو
 تم لب سوفار سے کیا کیا مزا دیتے نہیں
 ناتواں ہوں، حسرت دیدار باقی ہے مجھے
 آشنا اُس آفت جاں کو بلا دیتے نہیں

گل میں اُس عارض گلرنگ کی ہے بو، پھدا
 چشم نرگس میں ہے اُس آنکھ کا جادو، پھدا
 بات کرتا ہے نئی، ظالم بدخو پھدا
 کیا کرے عذر، اسیر خم گیسو پھدا
 یوں پرستان میں ہوں لاکھ پریرو پھدا
 یہ ادا کب ہے جو کرتا ہے ادا تو پھدا
 آدمی وہ، جو فرشتے کی کرے خو پھدا
 پھول وہ خوب ہے، جس پھول سے ہو ہو پھدا

ہمسری نرگس متخمر سے آسان نہیں
 ایسی شوخی تو کرے دیدۂ آہو پیدا
 شور ہے شہر مہں پھر نوح کا طوفاں آیا
 یا الہی یہ کہاں سے ہوئے آنسو پیدا
 یا الہی نظر آجائے جمال رخ دوست
 ایسی صورت کرے آئینۂ زانو پیدا
 دیکھے پھر عاشق جانباز کی ثابت قدمی
 پہلے جوہر تو کرے خنجر ابرو پیدا
 مرض عشق مسیحا سے بھی اچھا نہ ہوا
 یوں تو ہر درد کی خاطر ، ہوئی دارو پیدا
 کس قدر عقل پہ ارباب جہاں نازاں ہیں
 ذہن مہں اپنے ہوئے ہیں یہ ارسطو پیدا
 دشت وحشت مہں گہا صبر تو متجنوں نے کہا
 شکر صد شکر ہوا قوت بازو پیدا



موت اب بہتر ہے جہنم کا مزا باقی نہیں
 رنگ بدلا اہل عالم کا ، وفا باقی نہیں
 سہر ہوں جہنم سے مرنے کی دعا ہے ورد لب
 اور اب خالق سے کوئی العجا باقی نہیں
 جاں بلب ہوں ، جلد تر لانا جواب خط شوق
 کچھ بھی حالت مجھ میں اے بادصبا ، باقی نہیں
 دوست سمجھے تھے تمہیں ، دیکھا تو دشمن سے سوا
 آپ سے بے اعتنائی کا کلا باقی نہیں۔۔۔

دو گھڑی یاد خدا بھی شرط ہے اے ملمعو'
 راحتیں دنیا کی فانی ہیں، سدا باقی نہیں
 جسم فرسودہ، کمر پُر خم، پریشاں ہیں حواس
 حالت پھری ہے، جھلے کا مزا باقی نہیں
 قالب بے روح کی نسبت ہے دنیا پر درست
 بے وفا موجود ہیں، اہل وفا باقی نہیں
 اہل دنیا در کنار اے صبر یہ اندھیر ہے
 خاطر زہاد میں یاد خدا باقی نہیں

صحیح

تذکروں سے نام و مقام وغیرہ کسی چیز کا پتا نہ چلا - سوائے اس کے
 کہ جہاں، قلیق اور خواجہ وزیر وغیرہ کی غزلیں، اُس بھاض میں درج
 ہیں؛ وہیں ایک غزل ان کی بھی ہے - اسی سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ بھی
 انہیں لوگوں کے معاصر تھے، غزل میں وہی لکھنؤ کا رنگ قدیم جھلک رہا
 ہے، تو شائد یہیں کے دھلے والے بھی ہوں گے -

غزل صحیح

جو رنج مجھ پہ ہوتے ہیں اُن کو خبر نہیں
 سوتا اسی خیال سے میں رات بھر نہیں
 شفقت سے مجھ پہ آپ تو کرتے نظر نہیں
 اور آپ سے عزیز مجھے اپنا سر نہیں
 جو اِس جہاں میں باغ ہزاروں لگا گئے
 افسوس ہے مزار پر اُن کے شجر نہیں
 زخمی وہ ہم کو کرتے ہیں ابرو کی تیغ سے
 فہر از دُل اپنے پاس کوئی شے سہر نہیں

بالائے بام اپنے وہ بیٹھا ہے ناز سے
 تا صبح اب فلک پہ طلوع کمر نہیں
 دانتوں سے آپ کے میں اُسے کیا مثال دوں
 اک قطرہ آب کا ہے صدف میں گھر نہیں
 مونس نہیں ہے باتیں کروں کس سے اے خدا
 مہری شب فراق قریب سحر نہیں
 ایسا نہ ہو نظر لگے میں کہتے درتا ہوں
 ہیکل کا بوجھ اُتھانے کی قابل کمر نہیں
 دانتوں سے اپنے ہونٹوں کو میں کات ڈالوں گا
 اب بوسہ دینا آپ کو منظور اگر نہیں
 موجود سر ہے آپ کے صدقے کے واسطے
 اِس کے سوا تو پاس مرے مال و زر نہیں
 ناحق کو آپ درتے ہیں آتے ہوئے یہاں
 واللہ میرے گھر میں ذرا بھی خطر نہیں
 مسکن کو میرے جان کے تو پوچھتا ہے یار
 درویش لامکان ہوں، کہیں میرا گھر نہیں
 ہر شعر آبدار تمہارا ہے اے صحیح
 کہوں کر کہوں کہ نظم یہ سلک گھر نہیں

سبتلا

ان کے نام و مقام کا پتا نہیں - اِس نخلص کے کئی آدمیوں کا
 ذکر تذکروں میں دیکھا - افسوس ہے کہ کسی پر بھی یہ گمان نہیں کیا

جاسکتا کہ یہ وہی ہیں - جس مبتلا کا ذکر میں کر رہا ہوں ان کا ایک دیوان قلمی ' جو سنہ ۱۸۳۱ء کا لکھا ہوا ہے ' میرے کتب خانے میں موجود ہے - جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولی کے معاصر تھے ' دکن کے دھلے والے تھے - ولی پر بعض بعض جگہ چوڑیاں بھی کی گئی ہیں - اور اُن کی غزلوں پر غزلیں بھی ' اِس میں موجود ہیں - وہی زبان ' وہی متعارفات ' وہی طرز بیان اور اُسی قسم کے جذبات ہیں - کسی تذکرے سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ولی نے پہلے دیوان جمع کیا یا انہوں نے ' بہر حال یہ اُن کے معاصر ضرور ہیں اور ان کے دیوان کو دیکھ کر یہ کلیہ باطل ہو جاتا ہے کہ ولی نے سب سے پہلے دیوان جمع کیا - ہم اِس پر ایک مفصل مضمون کسی دوسری جگہ لکھیں گے ' یہاں پر صرف دو ابتدائی غزلیں نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں -

اے یار ' تری یاد ہے نکت شغل دالں کا

اور نانو ترا ورد ہے دو جگ کی زباں کا

زیبت ہے کتاباں کو تری حسد و ثنا سوں

ہے شکر ترا زیب خلایق کے دغاں کا

تجہ ذات کے ادراک منے عقل ہے عاجز

قاصر ہے ترے وصف منے خامہ بیاں کا

موجود حقیقی سنی ہستی ہے سبہوں کی

ذرات ملے فیض ہے خورشید جہاں کا

مشتاق ترے درس کے صاحب نظراں ہیں

دیدار ترا نور ہے از بسکہ آنکھاں کا

روشن ہے ترے جوت سنی دیدہ عالم

منظر ہے ترا چہرہ سدا پھر و جواں کا

ماحیت کونہیں ہے مکشوف اُس اوپر
 واقف ہے ازل سے جو ترے راز نہاں کا
 ہجراں کی زمیں بیچ ترے وصل کے جل بن
 تڑپے ہے جگر میں نمن خورد و کلاں کا
 تجھ باغ کی محبت کے اندر اے گل یکتا
 ممکن نہیں اک آن گذر فصل خزاں کا
 موسیٰ کا لیا ہاتھ میں دل ایک نگہ سپیں
 حوہاں ہے ترے سحر سوں فرعون زماں کا
 دریائے معانی کا ہوا مبتلا غواص
 وہ دُر ہے بجائے شیفہ مجھ طبع رواں کا

اثر ہے اے للن یاقوت میں تجھ لب کی لالی کا
 دل مہتاب میں ہے عکس تیری زلف کالی کا
 سلوئے حسن کی تعریف کرنا ہے نمک کا حق
 پڑا ہے شور خوبان پاس میرے یوں حلالی کا
 ہوئی عشاق کو مستی، تجھے اکبار دیکھے سوں
 نشا ہے تیری آنکھیاں میں شراب پرتگالی کا
 کیا ہے حق نے اُس کوں اِس جہاں میں خضر کا ہمسر
 مزا جس نے چکھا ہے تیری گفتار زلالی کا
 سنا ہوں شوق کے مکتب منے روشن سواداں سوں
 تری ابرو ہے بسم اللہ دیوان ہلالی کا
 تری باناں کی نرمی نے کیا ہے موم خاراں کوں
 چلی ہے شمع سن چرچا تری صاحب خیالی کا

کرے اسبار شاگردی سخن شیریں کی کہتے ہیں
 اگر طوطی سنے احوال مجھ شیریں مقالی کا
 نزاکت تجھ قدم کی دیکھ تھوڑے پانوں دھرنے کوں
 گل اندامان نے اپنے کوں کیا ہے نقش قالی کا
 لکایا ہے جدہاں سوں دھیان تجھ مہ دو سستی اپنا
 ہوا ہے غلغلہ افلاک پر مجھ فکر عالی کا
 رنگیلے شعر کہتا ہوں سدا گلو کی خوبی میں
 بجایا ہے شہرہ ' عالم میں تری رنگیں جمالی کا
 دھیان سے لہٹنا دور کر دے چہور اے چلچل
 کہاں لگ مبتلا شکوا کرے تجھ خورد سالی کا

ہم مبتلا ہی کے ذکر کے بعد اپنے مقدمے کو ختم کر دینا بہتر
 سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ابھی اور بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے کلام
 کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ مگر طول کلام کے سوا اور بعض وجوہات بھی
 ہیں جن کی بنا پر اُن شعرا کو نظر انداز کرتے ہیں جن کی بعض
 کتب یا دواویں کبھی مرتب ہوئے۔

خیال ہے کہ یہ اوراق پریشان جن کو اب ایک کتابی صورت حاصل
 ہوگی نہ صرف اُن شعرا کے کلام ہی کو پیش کر سکیں گے جن کا تذکرہ
 میں نام بھی نہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ اکثر دیسچ کرنے والوں کی کافی
 مدد کریں گے۔

عبدالباری آسی

دو نایاب زمانہ بیاضیں اور اُن کا انتخاب

بیاضوں کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ ہر مذاق اور خیال کے لوگ مختلف قسم کی بیاضیں رکھتے تھے۔ مثلاً حکیموں کی بیاض، صوفیوں کی بیاض، عاملوں کی بیاض، ادیبوں کی بیاض، شاعروں کی بیاض، اِن بیاضوں میں نہایت نادر چیزیں درج ہوتی تھیں، غزل، رباعی، مثنوی، دوہے، چوڑائی، کبت، گہت، حکایتیں، داستانیں، نقشب، طلسمات، نسخے اور لطیفے و قہیرے، اِس طرح اِن بیاضوں کی بدولت معلومات اور تجربات کا جو رنگا رنگ مجموعہ ہات آتا تھا، اور اُن سے جو عجب اور نادر چیزیں نکلتی تھیں وہ کتابوں کے دفتر کے دفتر اُلگے سے بھی میسر نہیں آسکتیں۔ مجھے بیاضوں کے جمع کرنے کا بے انتہا شوق ہے، چنانچہ گزشتہ دور کے کئی کشکول اور بیاضیں فراہم کر چکا ہوں۔ لیکن وہ زیادہ تر ادبیات فارسی پر مشتمل ہیں۔ اُردو کی بیاضوں میں سے ایک بیاض مجھے سنہ ۱۹۱۱ء میں ملی، جو منشی عبدالغفار صاحب اخگر اُردنی شاگرد استاد ذوق کی مرتب کی ہوئی تھی۔ اُس میں اُن کے معاصرین کا کلام اور خود اُن کی بعض غزلوں اور نظمیں تھیں۔ چونکہ یہ خود ذوق کے شاگرد تھے، اِس واسطے اپنے استاد بھائیوں کا کلام زیادہ جمع کیا ہے۔ چنانچہ اِس میں ذوق کے ایسے مشاق شاگردوں کا کلام بھی ہے جن کے مشہور وقت ہونے کی وجہ سے تذکروں میں نام اور ایک ایک دو دو شعر تو ضرور ملتے ہیں مگر عام طور سے اُن کی کوئی پوری غزل دستیاب نہیں ہوتی۔ اُن کا ذکر تذکروں میں محض حروف تہجی کی رعایت سے

آگیا ہے - اسی واسطے پڑے پڑے محققوں اور تذکرہ نویس نقادوں کو بھی اُن کے حال پر اطلاع نہیں ، کلام تو کجا ؟

مولانا حسرت موہانی نے بڑی کد و کاوش سے شعرا کے شعریے قائم کیے اور سلسلے ملائے ہیں - اُن میں شاہ نصیر اور ذوق کا سلسلہ بھی ہے - مگر میں نے اُن ناموں کو جو اس بیاض سے مجھے ملے اور وہ شیخ ابراہیم ذوق کے مایہ ناز اور مشہور شاگرد تھے ، حسرت کے قائم کردہ سلسلے سے ملایا تو ایک نام بھی نہ ملا - اسی طرح ذوق کے شاگردوں کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جو دھونڈے نہیں ملتے اور نہ اُن کا کلام دستیاب ہوتا ہے - بہر صورت اس بیاض سے مجھے ذوق ، غالب اور مسنوں کے زمانے کے وہ لوگ مل گئے جن کے نام اور کلام کو زمانے نے مٹا دیا تھا لیکن حقیقتاً زمانے سے اُن کو اور اُن سے زمانے کو روشناس ہونا چاہیے تھا - اگرچہ اب شاعری کی روں بدل گئی ہے - جس زمانے میں ہم ہیں وہ چھڑیں اُن کے یہاں ہم کو نہیں ملتیں - مگر جس دور کو اُنہوں نے طے کیا ہے اُس دور کے بے شمار جواہر اُن کے خزانے میں موجود ہیں ، اور انصاف والی نظریں اُنہیں سرمایہ داران شعر میں شامل کر سکتی ہیں -

اس بیاض کو آخر مرحوم نے غالباً تیرھویں صدی ہجری کے نصف میں مرتب کیا تھا - کیونکہ اس میں اس کے بعد کے سنہوں پائے جاتے ہیں - اور یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صاحب بیاض نے اکثر لوگوں کو خود دیکھا تھا - اگرچہ وہ ملازمت کی مجبوریوں سے اپنے وطن اُلدن سے (جو دہلی کے قریب اور توابع میں ہے) بہت دور جا پڑے تھے اور سیالکوٹ پلجباب میں مقیم تھے - مگر وہ ذوق کے شاگرد تھے - اور اپنے اس ذوق کے پورا کرنے کے لیے پلجباب سے وطن آتے تو اکثر استعداد ہی کی خدمت میں رہتے اور مشاعروں میں شریک ہوا کرتے - جہاں اُن کو اُن

میں سے اکثر لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا - کھونکہ دہلی میں اِس وقت باکمالوں کا ایسا مجمع تھا جو اب شاید قیامت تک نصیب نہ ہو -

اِس میں بعض وہ شاعر ہوں جو ہمیشہ قلعة معلّے اور غازی الدین خاں کے مدرسے کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور غالب و مومن کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر غزلیں پڑھتے تھے - چنانچہ بعض ہ مطرح غزلوں سے خود اندازہ ہو جائے گا - میں نے اِس بیاض کو بیاض نمبر ۲ کے نام سے موسوم کیا ہے ، اگرچہ دستیاب ہونے کی حیثیت سے یہ اول ہے -

دوسری بیاض وہ ہے جو اِس سے بہت زیادہ قدیم ہے اور وہ مجھے سنہ ۱۹۳۶ع میں دستیاب ہوئی - یہ بیاض یقیناً مہر و سودا کے عہد میں مرتب ہوئی - کھونکہ اِس عہد کے بعد کا کوئی شاعر اِس میں نہیں ہے - اِس کی تحریر کا انداز بھی وہی ہے جو متقدمین کا تھا - رسم الخط ایک ایسی بھنّ دہل ہے کہ اُس سے انحراف نہیں ہو سکتا - کو کے بجائے (کوں) سے کے بجائے (سہن) جی کے بجائے (جھو) ، وائے ثقیلہ کے بجائے اکثر الفاظ میں دال ہندی یعنی ڈال - یہ کے بجائے (یو) ، توپ کے بجائے (تڑپہ) ، وغیرہ وغیرہ ، سب وہی چیزیں ہیں جو قدما میں رائج تھیں اور جن کو کم سے کم (۱۰۰) برس سے اُردو کی صفائی نے ناپود کر دیا -

یہ بیاض اُردو اور فارسی دونوں طرح کے کلام سے بھری ہوئی ہے - اور کم سے کم دھائی سو تین سو صفحے کی ہے - کلام بھی ہر قسم کا ہے ، نوحے مناقب ، غزلیات ، دوہے ، مثنوی ، چہستان ، رباعی اور قصیدے - اِس میں اُردو کے اکثر شعرا ایسے ہیں جن کے نام بھی تذکروں میں موجود نہیں - اور اکثر ایسے ہیں جن کے تذکرے مرتب کرنے والوں کو ایک ایک دو دو شعر سے زیادہ نہیں مل سکے - حالانکہ وہ اپنے فن میں کامل تھے ، اور زمانہ اُن کی قدر کرتا تھا - اب اُن کے ایک ایک دو دو شعر ملے بھی

تو کہا راعے قائم ہو سکتی ہے - اِس بیاض میں بعض کا کلام کثرت سے ہے بعض کا کم ، مگر ہے ضرور -

اِس بیاض میں اکثر تخلص لکھ دیے ہیں مثلاً (غزل حسرت) (غزل فدوی) اور یہ ظاہر ہے کہ صرف تخلص کی بنا پر تعین ذات دشوار ہے - اِس واسطے نہایت تلاش کے بعد کسی نہ کسی صورت سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر کسی نام کے مثلاً چار شاعر ہیں تو یہ کون سا ہو سکتا ہے ؟ اِس میں یہ صورت رہی ہے کہ مہر وغیرہ کے زمانے سے بعد کے اُس تخلص کے شاعر کی طرف تو کوئی اعتنا ہی نہیں کی - اُس وقت کے یا اُس سے پہلے کے لوگوں کے طرز کلام کو ملایا ، اور اِس کے ساتھ کہیں کہیں اُن لوگوں کے وہ بعض شعر بھی تذکروں میں مل گئے جو بیاض میں لکھی ہوئی غزل میں شامل تھے - اِسی طرح کے اور قرینے جو شاعر کے پہچاننے میں مدد دیتے ہیں - وہ لوگ جن کے نام کا پتہ نہ چلا اُن کو اُسی طرح لکھ دیا ہے - بہر حال اِس میں شک نہیں کہ اُن میں زیادہ وہ لوگ ہیں جو آسمان ادب پر آفتاب بن کر چمکے ہیں ، اور اُن کی شاعری مسلم تھی ، اور آج اُن کے کلام کے نایاب ہونے کی وجہ سے اُن کو کوئی نہیں پہچانتا ، یا انہوں کو اشتیاق باقی رہتا ہے کہ اور کچھ اُن کے کلام سے لذت اندوز ہوتیں -

اِسی کے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں جن کا کلام موجود ہے - دیوان چھپ چکے ہیں - مگر یہ کلام جو اِس بیاض میں موجود ہے نہ وہ دیوانوں میں ملتا ہے اور نہ اب کسی سے سنا جاتا ہے - اُس کو منظر عام پر نہ لانا ، اور اہل ادب کو اُس سے مطلع نہ کرنا ایک قسم کا ادبی فحش یا بددیانتی تھی - خاص کر اُن ہستہوں کا باقی ماندہ غیر مطبوعہ کلام جن کے نام کی دنیاے ادب میں پرستش ہوتی ہے ، جیسے مہر و سودا ،

قالب و مومن کے دیوان آج ہمارے سامنے ہیں ، تاہم اُن کی کسی غیر مطبوعہ فزل یا قصیدے یا رباعی ، یا مثنوی یا شعر کا پیش کرنا ادب اُردو میں اضافہ کرنا ہے ۔

بہر حال یہ ایک کوشش ہے ، جو ممکن ہے کہ اہل ذوق میں مقبول ہو ۔

ہم پہلے بیاض اول (قدیم) کا انتخاب پیش کرتے ہیں اور آخر میں بیاض دوم کے شعرا کو پیش کریں گے ۔ جی چاہتا تھا کہ ترتیب بہ لحاظ حروف تہجی ہوتی مگر یہ کچھ صحیح نہ معلوم ہوا ۔ زمانے کے لحاظ سے شعرا کو پیش کیا گیا ہے ۔ جن لوگوں کا مفصل ذکر تذکروں میں موجود ہے اُن کا نہایت مختصر حال لکھا ہے ۔ کیونکہ یہ تطویل ، تکصیل حاصل تھی ۔

ہم نے اِس انتخاب کے چار دور قائم کئے ہیں اور ہر دور کے اول میں بطریق تہجد کچھ عبارات ایسی لکھ دی ہے جس سے ناموں کی معلومات میں اضافہ ہو سکے گا ۔

طبقة اول

طبقة اول سے مراد وہ شعرا ہیں جو ولی دکھنی کے معاصر یا اُن سے پہلے تھے ۔ بیاض موجودہ میں ولی کی بہت سی فزلیں موجود ہیں ، اور ایسی بھی ہیں جن میں ایک آدھ شعر مطبوعہ فزلیں سے زیادہ ، یا بعض فزلیں میں تغیرات اور تبدیلی الفاظ ہے ۔ مگر اتفاق سے وہ سب ہم کو اُس مجموعہ دیوان ولی میں مل جانی ہیں جو مولانا احسن مازہروی نے مرتب فرمایا ہے ، اس لیے اِن معمولی تبدیلیوں یا دو ایک شعروں کا لکھنا بھکار ہے ۔ ولی کے علاوہ بعض اور لوگ بھی ہیں ،

مگر اُن کا صحیح صحیح پتہ نہیں چلتا - البتہ ایک اور بیاض میں
 ولی کے معاصرین کی فہر مطبوعہ فزلیں ملتی ہیں ' جن میں سے ایک
 احمد گجراتی ہیں اور دوسرے نرنجن داس ' متخلص بہ نرنجن ' لہذا
 اس طبقے میں صرف یہی دو شاعر رکھے گئے ہیں -

احمد

احمد علی خاں نام ' احمد تخلص اور گجرات وطن تھا - ولی کے
 معاصرین میں تھے - شاعر ہندی اور دوا کیت وغیرہ بھی کہتے تھے -
 سنسکرت کے زبردست عالم تھے ' اور نہایت پختہ مشق تھے - غالباً ریختے
 کا پورا دیوان مرتب ہو چکا تھا ' کیونکہ مجھے قدیم بیاض میں جو فزلیں
 ملے وہ ردیف (ب) (ت) (ث) (و) (ل) پر بھی مشتمل ہیں - چونکہ ان
 ردیفوں میں جو فزلیں لکھی جاتی ہیں وہ صرف ردیف کی خانہ پری
 اور دیوان کے پورا کرنے کے لئے لکھی جاتی ہیں ' اس واسطے شاید دیوان
 کی ترتیب کے متعلق میرا خیال غلط نہ ہو - بہر صورت اب ان کا کلام
 بالکل مفقود ہے ' اور اب کیا ' اُس کو مفقود ہوئے بھی ایک زمانہ گزر چکا ہے -
 کیونکہ مہر تقی مہر نے احمدی گجراتی کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے -
 اس کے سوا نہ کوئی پتہ ہے نہ نشان ' صرف پانچ شعر اُن کے نقل کر دیے
 ہیں ' جو ایک ہی غزل کے ہیں ' مطلع یہ ہے :

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے

نہ پائی راہ دانہں میں خروشاں بے خبر نکلے

اس میں مقطع نہیں ہے - اسی وجہ سے مہر نے سہو سے احمد کے

بجائے احمدی لکھ دیا ہے - تذکرۂ لچھمی نارائن شہیق میں بھی مہر ہی

کا اتباع کیا گیا ہے - انہوں نے احمدی نام شاعر کے متعلق کچھ توصیفی

مہارت لکھی ہے اور پھر مہر کے تذکرے کا حوالہ دیتے اور یہ کہتے ہوئے کہ
 ”اہں بہت طبع زادہں مہر محمد تقی مہر می نویسد“ صرف ایک شعر
 اُن کا نقل کر دیا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر کا جو تذکرہ، شفیع
 کی نگاہ سے گزرا اُس میں احمد کا ایک ہی شعر تھا۔ مہر حسن نے اپنے
 تذکرے میں اُن کو احمد گجراتی کے نام سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے
 ”احمد گجراتی از قدیم است دگر احوالہں معلوم نہست“۔ اِس کے
 بعد وہی ایک شعر نقل کر دیا ہے جو مہر کے تذکرے میں احمد کی غزل
 کے مطالع کی حیثیت سے موجود ہے۔

قائم نے اِن کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گیت، دودھہ سب کہتے تھے اور
 سلسکرت کے عالم تھے، ولی کے معاصر تھے، اور اِن کا کلام بہت دل نشین
 تھا۔ اِس کے بعد تین شعر نئے نقل کئے ہیں۔

باقی تذکرہ نویسوں مثلاً مسٹر ایف فہلن نے گلزار ابراہیم میں
 انہیں احمد گجراتی ہی کہا ہے اور وہی فارسی کے تین شعر

گر بھٹے زانے کسے در زیر سہمے نہد
 از اصل خود ناید برون آخر گلیلا ہوئے پر [۱]
 گر طفلکے بازی گرے خوانندہ و عالم شود
 اصلے کہ دارد رو دھد آخر رنہورا ہوئے پر
 گو بچہ شہرے کسے با شیر رو بہ پرورد
 مردی کہ دارد کے روڈ آخر بگیلا ہوئے پر

اور دو ایک شعر مہر کے تذکرے سے نقل کئے ہیں۔

فرض، بجز تذکرہ قائم کے، تذکرہ مہر، تذکرہ شفیع، تذکرہ شوق،
 تذکرہ ایف فہلن صاحب، تذکرہ مہر حسن، تذکرہ گلزار ابراہیم، تذکرہ

آب حیات' اور تذکرۂ خمخانہ وغیرہ میں وہی مشہور پانچ شعر ہیں - فارسی کے شعر تو مہملت سے خالی نہیں - اردو کے شعر آٹھ ہیں ' جو احمد کے رنگ سے خالی ہیں - مگر جو غزلیں ہم کو ملی ہیں وہ ایک قدیم بھاض کی ہیں جس میں ولی اور احمد کا کلام ساتھ ساتھ دیا گیا ہے اور وہ تعداد میں ۹ ہیں - جن کو میں ایک مرتبہ رسالۂ سخنور میں نقل کر چکا ہوں - مگر چونکہ یہ کلام بالکل نایاب ہے ' اور پھر نہایت عمدہ بھی ہے اس لیے اس مجموعے میں بھی ان کو شامل کیا گیا ہے -

احمد کے کلام کی خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خیالات تصوف سے لبریز ہے - سوز و ساز عشق اُس میں بدرجۂ اتم موجود ہے - اُس زمانے کے لحاظ سے سب معاصرین سے زیادہ ان کے یہاں صفائی ہے - اصطلاحات متصوفین کا خوبی سے استعمال کرتے ہیں - قرآن شریف کی آیتوں کے پورے پورے ترجمے ان کے شعروں میں سمونے ہوئے ہیں - جذبات نہایت بلند ہیں - ان پابندیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارف کامل بھی تھے - ذیل میں ان کی وہ غزلیں درج کی جاتی ہیں جو ہم کو ایک دوسری قدیم بھاض سے دستیاب ہوئیں جن کو سخنور میں لکھا بھی جا چکا ہے -

(۱)

ساچن جب اپنی مہر سے کرنے لگے خطاب
مقدور نہیں کسی کا جو دیوے اُسے جواب
دل مت کھا لبان و بہواں' نہن و خال میں
دھائی جو فوج حسن ' ہوا خانماں خراب
زنجیر زلف یار ' گلے میں کمد ہے
سر کو جھکا دیا ہے ' مہادا نہ ہو حساب

مقصود امتحان سے وفا ہے صنم کا جور
 اُس کی جفا ہے شہدا کو 'نت راحت و صواب
 کرتا ہے شہیع طلعہ کہ عاشق کو قتل نہیں
 زہد و ورع کو چھوڑ ہے مستوجب عذاب
 عاشق کہے کہ شہیع تو تک اِس گلی میں آ
 زہد و ریا صواب ہے اور عاشقی عذاب
 اِس نکو صرف فتنہ نے تجھ کو کھا خراب
 آ سیکھ فقرِ محبہ سے یہ ہے عشق کی کتاب
 عاشق پہونچ گیا ہے زہمت بہ کوئے یار
 تو پہنس رہا ریا میں ' چو خر درہ کلاب
 یہ زہد خشک شہیع کو زنجیر پا ہوا
 عاشق کے دل کو دیکھ کے جلتا ہے جوں کباب
 پہو کی گلی کتھن ہے نہ جاوے گا بوالہوس
 صہاد کو جو دیکھے تو کیونکر پہنسے عقاب
 نہیں بوالہوس کا کام جو جورِ صنم سہے
 کب دیکھے آنکھ بھر کے کوئی سوے آفتاب
 احمد کو آج نقد ہے دیدار گلرخاں
 نسیم ہے تجھ کو 'حشر میں ہووے گا جب حساب

(۲)

سریجن کا ستم کرنا بجا ہے کرے ہے امتحان کس میں وفا ہے
 یہ آنہں عشق کی ہے آزمائش کھرا کہوتا عیاں [۱] زرکا کیا ہے
 جفا ہر بوالہوس کو زہر لگتی بلا عاشق کے حق میں خوشنما ہے

مثال قلند کھارے کبک انکارا جو کھارے اور طائر تو بلا ہے
 ہے جلو زہر بیماروں کو لیکن طبیبان کو غذا ہے اور دوا ہے
 سندر آگ میں دھتا ہے شب روز یہ تمہلات عاشق پر روا ہے
 کرے نظارہ حسن دلربا وہ کہ جس نے آپ کو کیا ہے فنا ہے
 مقام عاشقی ہے سخت مشکل کہ جس کا دلربا خود مبتلا ہے
 مثل مشہور ہے خالہ کا گھر نہیں ستم ہے ظلم ہے جور و جفا ہے

جفا احمد کے حق میں امتحان ہے

یہ فضل اللہ مجبہ کو بس کفی ہے

(۳)

کچھ دنوں اور ہے جفا ہم پر کچھ دنوں اور ہے بلا ہم پر
 بعد عسرت کے بسط آوے ہے دل و جان سے یقین ہوا ہم پر
 متغیروں نے کوی ہے اُس کی خبر یہ الم نشرح سے کھلا ہم پر
 قبض میں گرچہ خوف ہوتا ہے ساتھ اُس کے لگی رجا ہم پر
 قبض بسط ہیں گے لازم و ملزوم غم میں شادی روا ہوا ہم پر
 لوگ کہتے ہیں مجبہ کو دیوانہ جو کہے خالق سو روا ہم پر
 عاشقی سے ہمیں کریں مطعون امتحان ہے وفا جفا ہم پر

خوش لگے اُس کی یہ ادا احمد

گاہ ہے مہر گہ جفا ہم پر

(۴)

سجن کو دیکھ کے کہتا مرا دل اُسی کے واسطے پیدا کیا دل
 ہے واجب سب یہ گہر دیکھیں خدا کا ولے جب اُسی سا ہو صفا دل
 صلم نے جب نہن سے مجبہ کو دیکھا ہوا شہدا دوانہ مبتلا دل
 بہت دل میں جو جانے ہے سو جانے ولیکن اہل دل سب سے بہلا دل

کہیں مہیں وصف کھونکر دلربا کا کہ جسکے دیکھتے چہراں ہوا دل
 کہا اُس شوخ نے اک روز مجھ سے صفا کر دل کو ہو کعبہ ترا دل
 صنم ہے لا مکان الا مکان ہے قلوب المومنین ہم نے سنا دل
 ہزاروں دل مہیں کوئی صاحب دل اُسے دل کب کہیں جھوسا مرا دل
 نہیں مقدور احمد کو کرے وصف

صنم کے راز کا جو آشنا دل

(۵)

اچھے عصیاں سے بہ درگاہ خدا ہے الغیث
 شوّ نفسی ہی نے عاجز کر دکھا ہے الغیث
 جز و کل کا نام روشن ہے تمہاری ذات پر
 سرور کونہیں احمد مصطفیٰ ہے الغیث
 داد خواہ آیا ترے در پر امیر المومنین
 تم منیٹ دو جہاں یا مرتضیٰ ہے الغیث
 یہ گدا آیا ہے ترے بار حسن مجتبیٰ [۱]
 سید الشہدا حسین کربلا ہے الغیث
 عابدین و باقر و جعفر کا ظم و موسیٰ رضا [۲]
 اب تقی حضرت نقی مشکل کشا ہے الغیث
 دین و دنیا کی پذہ ہے عسکری نامدار
 جی و قائم مہدی ہادی رضا ہے الغیث
 بھر حق نریا درس ہیں بے کسی مہیں شہر مرد
 منتظر امداد کا احمد گدا ہے الغیث

(۶)

نہ کر فکر ہوگز کہاں پھو کی ذات بہ ہر شے محیط ہیں گی ذات و صفات

جفا جو اُٹھاوے مشقت کرے فنا میں بقا ہے اور ایسی حیات
جو نصو و فتنہ چھوڑ ہو مہر فقر وہ زندہ ہے جاوید، کب ہے مہلت
ہیں اس بات پر متغنی عاشقان سجن پاوے جو توڑے لات و مہلت
یہی راہزن شیخ و شہطان ہیں اگر رند بولے، سلمہ کون بات
وہی دیکھ کھر حق کا جو کوئی نخست گزر جا صفاتوں سے، کم ہو بہ ذات

یہ خاموشی بہتر ہے، احمد ہو چُپ

کہ مخبر نے فرمایا چُپ سے نجات

(۷)

حضور حسن دلبر ہے خجل درد ہے معشوقوں میں وہ ممتاز اور فرد
عجب کل پہولتا ہے عشق میں سُن رخ عاشق کہے سرخ و کہے زرد
کرے ہے صبر دل کو بے قراری اُتھے شعلہ جگر سے اور دم سرد
کرے جو مہر، ساجن، عاشقوں پر تمامی عمر کا بھولے غم و درد
لگے گا جس کو تیر عشق کاری وہ نت اُس کی کُلی میں خاک ہے گرد
کرے ہے ہرہں کو کُم عشق بازی کدھر ہے گنجفہ چوسر، کہاں فرد

سجن کے عشق کا یہ ایک شمع

سن اے احمد کہ ہو ہر خلق سے فرد

(۸)

جمال دیکھے سجن وہ جو ہو فناے ظہور

وصال یار کا ہے دائم المقام مشہور

اگرچہ جور و جفا عشق یار میں ہے عیاں

ہوئی تجلی انوار موسوی بر طور

ہو جس کا اُٹھنے سال دل، نہ دیکھے فہر سجن

کہ تھا نصیب سے..... یوسف ہی منظور

ہوا تھا عشق میں لہائی کے قیس مالا مال
 ہوئے ہیں عشق میں مجلوں بھی اب تمام حضور
 کہاں یہ دید کسی کو جو دیکھے عاشق کو
 ہے نور مہر سے خفاہیں بے بصورت دور
 سجن کے لطف کا کہوں کر بیاں ہو احمد
 تمام خلق اُسی کا ہے ذاکر و مذکور
 (۹)

یہ کائنات تمام اُس کے نور کا ہے ظہور
 جو آنکھیں دل کی کہلیں، ہووے تب یہاں مستور
 یہ دلربا کا ہے قصہ جو لوگ پڑھتے ہیں
 قرآن میں وہی انجیل میں وہی بہ زبور
 مقلدوں کو کہاں دید حق جو کرتے قال
 قلیل ہیں گئے محقق ز بندہ ہائے شکر
 مرائی شہنشاہ کے حق میں ہے ہذا الاعسیٰ [۱]
 وہ کور دل ہے، نہ دیکھے گا نور حق کا ظہور
 نہ چاہے احمد علی خان حرر جنت کو
 یہ آرزو ہے کہ دیکھے سجن کا نور ظہور

نرنجنی

مجھے یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ نرنجن کون ہے ؟ البتہ جس بیاض
 میں اُن کی غزل کے اشعار پائے گئے اُس کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے،

[۱]—میں کان فی ہذا امیٰ تھو فی الآخرۃ امیٰ راضل سیبیلہ فی طارت شاید تلمیح ہے
 اور اس صورت میں ہذا الامیٰ فلما ہے، ہذا امیٰ ہونا چاہئے، آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ
 جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ہے، (ادارہ) -

(تمام شد نرنجن سیم ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ) - اِس کے سوا کچھ معلوم نہ ہو سکا - اِس سے اِس قدر سمجھ میں ضرور آگیا کہ یہ معتقد مہین میں سے تھے -

اُسے کہیں ہیں یتلگ ہم تو عشقبازاں میں
کفن کو شمع کی دوری سے جن سیا ہوگا
اِس عاشقی کا ہے کیا سخت کفر کا مذہب
بتوں کا مارا نہ سنی نہ یہ شیعا ہوگا
صف عاشقوں میں نرنجن ہے صاحب معنی
کہ ہرپا کو جلا کر جو بے ریا ہوگا

طبقة دوم

اِس طبقے میں وہ شعرا لئے گئے ہیں جو شیخ حاتم و آبرو کے معاصر [۱] ہیں اور اُن کا فہر مطبوعہ کلام بیاضوں میں موجود ہے -
چونکہ یہ کئی شاعر ہیں اس لیے اُن کے پیش کرنے کی ترتیب میں حروف تہجی کا خیال رکھا گیا ہے - اور وہ حسب ذیل ہیں :
(۱) آبرو (۲) حاتم (۳) حسن (۴) زمانی (۵) فغان (۶) معجزوں
(۷) منصور (۸) نثار -

آبرو

آپ کا اصلی نام شیخ نجم الدین تھا ، اور شاہ مبارک لقب تھا -
حضرت محمد فوت گوالہادی کی اولاد میں تھے ، اور حضرت سراج الدین علی خان آرزو کے شاگرد تھے ، آخر عہد محمد شاہ تک زندہ تھے [۲] - آپ

[۱]—معاصرین میں وہ سب لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جن کا زمانہ اِن دونوں یزگوں کے آخر در حیات سے ملتا ہے - مگر اُن میں سے اکثر کو میرو و سودا کے دور میں لایا گیا ہے -

[۲]—سال وفات سنہ ۱۱۶۱ھ ، (ادارہ) -

وقت کے باکمال اساتذہ میں مانے جاتے تھے - مگر ایہام کے اس قدر دلدادہ تھے کہ تمام کلام اسی رنگ سے رنگا ہوا نظر آتا ہے - ایک مستحکم دیوان اُن سے یادگار تھا - مگر اب علما کی طرح نایاب ہے - بعد کو اُسی کا انتخاب ایک بہت مختصر سا دیوان کبھی کبھی تلاش کرنے والوں کو دکھائی دے جایا کرتا تھا ، اب مدتوں سے اُس کا بھی پتہ نہیں - اِن کا انتخاب تھوڑا تھوڑا سب تذکروں میں پایا جاتا ہے جو اکثر باہم مشترک ہے ، مگر ایک غزل جو ہم پھس کرتے ہیں وہ کسی تذکرے میں نہیں پائی جاتی -

جان اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اِس قدر
 کیوں ہمارے دل کو لکتے ہو پیارے اِس قدر
 اِس قدر ہے مجھ جگر میں داغ تھوڑے ہجر کا
 آسماں اُوپر نہیں ہیں ماہ و تارے اِس قدر
 گاہ گاہے پہاڑ کی انکھیاں سے کرتے ہو نگاہ
 مہرباں ہوتے چلے ہو اب تو بارے اِس قدر
 دیکھ نہیں سکتے ہیں ہم ، اپنی نگہ سے اے سجن
 فہر کی انکھیاں سے انکھیاں ، مت ملا دے اِس قدر
 عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا کچھ نہیں
 در جدائی اُبرو کو مت ستا دے اِس قدر

قدر داں حسن کے کہتے ہیں اُسے دل بردہ
 سانورے چھوڑ کے جو قدر کرے گوروں کی

شاہ حاتم

شاہ حاتم سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے - لفظ ظہور سے سننِ ولادت کا

اظہار ہوتا ہے - ستّرہ برس کی عمر یعنی سنہ ۱۱۲۸ ہجری میں شعر و

شاعری شروع کی [۱] - ایک کلمات جس میں ہر قسم کا کلام ہے ، اور ایک انتعصاب کلام موسوم بہ دیوان زادہ ان سے یادگار تھا - مگر اب نہ کہیں کلمات ملتا ہے نہ دیوان زادہ - اور اب کہا ، پچاس برس سے تقریباً نایاب ہے - شاہ حاتم کے حالات بڑے بڑے تذکروں میں مفصل ملتے ہیں - مگر ہم کو بھی اتنا لکھ بغیر چارہ نہیں ہے کہ حاتم اپنے وقت کے لاجواب اور بے نظیر استعداد تھے - اُردو پر اُن کے گراں قدر احسانات ہیں - زبان کی صفائی میں ولّی کے بعد اُنہیں کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے - سنہ ۱۱۹۹ھ میں عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف رہ سہر ہوئے - یوں تو بجز اُس معمولی انتعصاب کے جوہر تذکرے میں ملتا ہے ، اُن کا تمام و کمال کلام کہیں بھی نہیں ملتا ، نہ وہ کہیں شائع ہوا - مگر مولانا حسرت موہانی نے ایک مختصر سا انتعصاب شائع کر دیا ہے جو میرے خیال میں اُن کے دیوان کا عشر عشر بھی نہیں - مگر پھر بھی نہ ہونے سے اِس کا ہونا فلیمت ہے - اِس میں زیادہ تر غزلیں ہیں ، اور وہ بھی ایسی جن میں قدیم طرز اور قدیم زبان نہیں ہے - جدید مذاق اور نئی روشنی جا بجا نمایاں ہے - ہم ایک قدیم بیاض سے اُن کی دو نظمیں پھس کرتے ہیں جو اُنہوں نے دھو آشوب یا شہر آشوب کے طور پر لکھی تھیں اور اُن کا نام بارہ صدی رکھا تھا - یہ سوائے اِس کے کہ ہم نے رسالہ ستغور میں ایک مرتبہ نقل کی تھیں اور حاتم کے مختصر حالات کے ساتھ شائع کر دی تھیں اور کہیں کہیں شائع نہیں ہوئیں - چونکہ نایاب ، لطیف اور اُس زمانے کے حالات پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والی ہیں - نیز اُس

[۱]—لیکن اگر دیوان ولّی کی دہلی میں اشاعت کا سال سنہ ۱۷۲۲ء ہے تو تقریباً

تیسری برس کی عمر میں حاتم کی شاعری کا آغاز تسلیم کرنا پڑے گا - تاریخ ادب اُردو ،
رکسینڈ صفحہ ۱۰۲ (ادارہ) -

وقت کی زبان، طرز ادا، بندھی اور انوکھی ترکیبوں کا آئینہ ہیں اس لیے اس نادر مجموعے میں اُن کا شامل نہ کرنا بڑی فرو گزاشت ہوگی، اسی لیے ہم اُن کو مکرر نقل کرتے ہیں -

بارہ صدی اول

تو کھول چشم دل اور دیکھ، قدرت کوتاہ
کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
نوا کے سپس لگا رکھ سدا تو ہر کے دوار
کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت ناہنجار
جہاں کے باغ میں یکساں ہے اب خزاں و بہار
شہوں کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہیں
امہروں بیچ سپاہی کی قدردانی نہیں
بزرگوں بیچ کہیں بڑے مہمانی (?) نہیں
تواضع کھانے کی ڈھونڈو، سو جگ میں پانی نہیں
گویا جہاں سے جاتا رہا سخاوت و پیار
یہاں کے قاضی و مفتی ہوئے ہیں رشوت خور
یہاں کے اہل کار ہوئے ہیں گے (?) دیکھو سب چور
یہاں کرم سے نہیں دیکھتے ہیں اور کی اور
یہاں سبھوں نے بھلایا ہے دل سے موت اور گور
یہاں نہیں ہے مدارا بغیر دار و مدار

دُذالے آج نہیے بیچ زر کے مانتے ہیں
پہن لباس زری ہم کو سچ دکھاتے ہیں
مسی پتہ پان چہا سرخرو کھاتے ہیں
کہیں ستار کہیں ڈھولکی بجاتے ہیں
فروغ فطرت و خوبی کے مد میں ہیں سوشار

شاعری شروع کی [۱] - ایک کلمات جس میں ہر قسم کا کلام ہے ، اور ایک انتخاب کلام موسوم بہ دیوان زادہ ان سے یادگار تھا - مگر اب نہ کہیں کلمات ملتا ہے نہ دیوان زادہ - اور اب کہا ، پچاس برس سے تقریباً نایاب ہے - شاہ حاتم کے حالات بڑے بڑے تذکروں میں مفصل ملتے ہیں - مگر ہم کو بھی اتنا لکھ بغیر چارہ نہیں ہے کہ حاتم اپنے وقت کے لاجواب اور بے نظیر اُستاد تھے - اُردو پر اُن کے گراں قدر احسانات ہیں - زبان کی صفائی میں ولی کے بعد اُنہیں کا نام خاص طور سے لیا جاسکتا ہے - سنہ ۱۱۹۹ھ میں عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف رخ سپر ہوئے - یوں تو بجز اُس معمولی انتخاب کے جوہر تذکرے میں ملتا ہے ، اُن کا تمام و کمال کلام کہیں بھی نہیں ملتا ، نہ وہ کہیں شائع ہوا - مگر مولانا حسرت موہانی نے ایک مختصر سا انتخاب شائع کر دیا ہے جو میرے خیال میں اُن کے دیوان کا عشر عشر بھی نہیں - مگر پھر بھی نہ ہونے سے اُس کا ہونا فلیمت ہے - اِس میں زیادہ تر غزلیں ہیں ، اور وہ بھی ایسی جن میں قدیم طرز اور قدیم زبان نہیں ہے - جدید مذاق اور نئی روشنی جا بجا نمایاں ہے - ہم ایک قدیم بیاض سے اُن کی دو نظمیں پھس کرتے ہیں جو اُنہوں نے دھو آشوب یا شہر آشوب کے طور پر لکھی تھیں اور اُن کا نام بارہ صدی رکھا تھا - یہ سوائے اِس کے کہ ہم نے رسالہ ستغوروں میں ایک مرتبہ نقل کی تھیں اور حاتم کے مختصر حالات کے ساتھ شائع کر دی تھیں اور کہیں کبھی شائع نہیں ہوئیں - چونکہ نایاب ، لطیف اور اُس زمانے کے حالات پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والی ہیں - نہز اُس

[۱]—لیکن اگر دیوان ولی کی دہلی میں اشاعت کا سال ۱۷۲۲ء ہے تو تقریباً

تیسویں برس کی عمر میں حاتم کی شاعری کا آغاز تسلیم کرنا پڑے گا - تاریخ ادب اُردو ، مکتبہ صفحہ ۱۰۲ ، (۱۵۵) -

وقت کی زبان، طرز ادا، بندش اور انوکھی ترکیبوں کا آئینہ ہیں اس لئے اس نادر مجموعے میں اُن کا شامل نہ کرنا بڑی فرو گزاشت ہوگی، اِسی لئے ہم اُن کو مکرر نقل کرتے ہیں -

بارہ صدی اول

تو کھول چشم دل اور دیکھ قدرت کرتار
کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار
نوا کے سپیس لگا رکھ سدا تو ہر کے دوار
کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت نامہنجار
جہاں کے باغ میں یکساں ہے اب خزاں و بہار
شہوں کے بھیج عدالت کی کچھ نہانی نہیں
امیروں بھیج سپاہی کی قدردانی نہیں
بزرگوں بھیج کہیں ہوے مہمانی (؟) نہیں
تواضع کھانے کی دھونڈھو، سو جگ میں پانی نہیں
گویا جہاں سے جاتا رہا سخاوت و پھار
یہاں کے قاضی و مفتی ہوئے ہیں رشوت خور
یہاں کے اہل کار ہوئے ہیں گے (؟) دیکھو سب چور
یہاں کرم سے نہیں دیکھتے ہیں اور کی اور
یہاں سبھوں نے بھلایا ہے دل سے موت اور گور
یہاں نہیں ہے مدارا بغھر دار و مدار
دذالے آج نشے بھیج زر کے ماتے ہیں
پہن لباس زری ہم کو سچ دکھاتے ہیں
مسی پہ پان چہا سرخرو کھاتے ہیں
کہیں ستار کہیں دھولکی بجاتے ہیں
فرور غفلت و خوبی کے مد میں ہیں سرشار

رنگیلا سب سنی رنگریز کو بن آتا ہے
 تو دھوپ ہی اور کے کھڑوں کی سمج دکھاتا ہے
 چسار چھوڑ کے چرم چرم بد کساتا ہے
 سقے کا مفت میں بہشتی کھو کھانا ہے
 اب گرم ہو کھا بازار

ہے گرم آج شجاعت میں نان پز کی دکان
 کباب و نیمہ کرے ہے نجیب کو ہر آن
 شمع فروہ کی ہے چرب سب کے اُپر شان
 ہے مثل باغ کے سر سبز کونجڑے کی دکان
 جھنور کا بصر میں مچھی کا کھیلتا ہے شکار

نظر میں آتے ہیں پُر کہسے آج نائی کے
 اکڑتے پھرتے ہیں پی پی کے دودھ، دائی کے
 کھلے بھول گئے دن دیا جلائی کے
 ہوئے ہیں قریب، دکھو گوشت کھا، قصائی کے
 زمانے مردی پکڑ کھینچنے لگے تلوار

پھریں ہیں چکنے، جہاں بھیج آج تھلی کے
 ملیں ہیں تھل سدا بھلے اور چمھلی کے
 ہوئے ہیں صاحب مال و زر و حویلی کے
 دکھیں ہیں شوق سدا دل کے بھیج سھلی کے
 گلے ہیں بھول ہڈائے قدیم ماہ و جوار

شگفتہ لب ہے ہر اک آن پھول والے کا
 لُہار زور دکھاتا ہے اپنے نالے کا

یہ دھنکھا بھول گیا دل سے نزع کالے کا
 یہاں دماغ فلک پر ہے اب دڑالے کا
 جولاہہ چھوڑ کے بانے ، ہوا عسّس کا ہار

فہ کر تو جھانجھ کہ نقارچی کی نویت ہے
 مصاحبت کی اگر جلد اُس کو خدمت ہے
 کمبلہ قوم کو ہر اک مکں پہ عزت ہے
 تو کیا ہوا کہ دڑالے کی زرستی پت ہے
 ہے افتخار نجھوں کا فخر و عزت و عار (۹)

کرے ہے چرخ اگر تجھ اُپر جفا حاتم
 تو سفلے پاس نہ کر جائے التجا حاتم
 ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم
 تو انتخاب (۹) زمانہ کا غم نہ کہا حاتم
 کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

بارہ صدی دوم

صبح کے وقت جو امرا قلعہ میں آتے ہیں
 بلی ہے جن کی دے کھا کھا سبجوں دکھاتے ہیں
 جو کشمکش میں ہیں وہ پیچ و تاب کھاتے ہیں
 کتے خیراب ہیں اور کتے زر کھاتے ہیں
 فرض خدا بھی یہی قدرتیں دکھاتے ہیں

عجب یہ دور ہے شرفا کا کچھ نہیں روزگار
 بہت نجھب قسم زندگی سے ہیں بیزار

ہزاروں عسدرے پڑے پھرتے ہیں خدائی خوار

کہو تو کس طرح ہووے سپہ گری کا وقار

بہادر ہائے غضب ہیجڑے کھاتے ہیں

خراب فاقوں میں ہیں بیٹے ہفت ہزاری کے

چھپا کے بھچپوں ہیں جالی لگے کفاری کے

پلاو کس کو ہے، محتاج ہیں نہاری کے

ہمیشہ گالی دیتے لوگ ہیں سواری کے

سپاہ کیا کرے بھوکوں سے بلبلائے ہیں

جو خانہ زاد تھے وہ مصلوبوں سے کرتے ہیں راج

فلیم اُلتمے، دکھو، بادشہ سے لیں ہیں خراج

نکل کے فرقوں سے ملاگری کے ہیں محتاج

پر اس غضب پہ بھی ہے نوربائی جی کا رواج

زنائے محفل میں کچھ مردیاں دکھاتے ہیں

رسالے نقدی کی بالکل طلب سے رو بیٹھے

بہت امیر جگہروں سے ہساتے دھو بیٹھے

فلیم چاروں طرف صوبہ دار ہو بیٹھے

جہاں پناہ سنتی ملک کو ڈبو بیٹھے

ولیک دور سے تو بھی دھمک دکھاتے ہیں

اجارہ داموں کے کر ریڑہ عسکوں کے دکھل

دو آنی بھیک سی دیتے ہیں بھوکے سر کے کفیل

جنہوں سے قرتے تھے، اُن کو کیا خدا نے ذلیل

جو دانے مانگتے تھے، وہ ہوئے ہیں صاحب فیل

اضافہ ہونے کے گھر دعوتیں پر اُتے ہیں

مزے سے رہتے ہیں کھا مکالموں کے بچکانے
 جڑاؤ پہنچھاں، کانوں کے بویج دُر دانے
 ہوئے کلموندے سے، کھا کھا انار بے دانے
 ہروز باجیوں میں کے شدیانے
 دو بار دن کے تنہیں، اُبتنا ملاتے ہیں
 بہت سے سعدوں کے بیٹے بھی مسہاں مل مل
 گئے ہیں وے بھی زنانوں کی صحبتوں میں مل
 ہوئے ہیں پاچہوں میں اِس طرح سے کُل در کُل
 نہیں پھرے ھے جو پھہرا ھے ہم نے اُن کا دل
 فغصہ تو یہ ھے کہ راتوں کو خرچی جاتے ہیں
 ہمارے دیکھتے ہی کچھ زمانہ اور آیا
 دلوں سے مہر گئی، اب جفا و جور آیا
 نجیب کھا کریں، دنیا کا اور طور آیا
 کہینے پھل گئے، پاچہوں کا دور آیا
 گلی و کوچوں میں بن کے سبھیں دکھاتے ہیں
 ہر ایک کوچے میں قوموں کے گز گئے جھلندے
 بقہ سے بن گئے ہندو سہانے درہم ملندے
 گرم مزاج ہوئے کھا کے مرضی کے اندے
 اُنہوں سے قرنے لکے اب تو چوک کے فلندے
 بنا کے چوہوں کو چو رنگ، جی جلاتے ہیں
 لگا دیاب کا شہتیر، دھولکی کا در
 بنا کے گل کا کے اندر

ہے فرہں خنجرِی کی حوضِ دائرہ کر کر

بتھا دیواں کئے دھج سے بائی جی کا ہر

بہت سے قانون سے اب دستخط کراتے ہیں

پھر کہابوں کے کتھے نہاری والوں کے

دو پلغے بن کے سچے اب کے شہر مالوں کے

ترا کے سینٹھیں بناتے ہیں قول بہالوں کے

مڑے سے دید اُڑاتے ہیں جانے والوں کے

صبح کو منہ کے اُپر شوروا ملاتے ہیں

لگا کے کھیرے کی نک، کنجڑے کے چلے بن تھن

چمکتا سوئے کا طرہ، کسپرو کی سمرن

بنا کے کدو کے چوگان، گھنڈ کر بھنگن

پھریں ہیں کھیلنے، میدان کر کے گھر آنکھن

پھر اُن کے باپ بھی اِس سچ پہ صدقے جاتے ہیں

اگن کا پلجرا لہے، چھوڑ کسب رنگریزی

سجھیں ہیں سر کے اُپر پھینتے، باندھ کنگریزی

تماش بھلی کو جائیں رزالہ آمہزی

چمکتے بال میں خنداں ہے طور کی تہزی

سلام کرنے کے تھیں، بایاں ہاتھ اٹھاتے ہیں

پتلا پتی کے یہ فراہ باندھ کندے دار

پہر توہڑوں کے تاکے ملے بجائے ازاد

طلاب باندھ مگر چاندنی کی دیکھیں بہار

بنا کے چھلوں کے چورنگ پھیلتے تلوار

گھوڑوں کے داملوں پر، اسپک لگاتے ہیں

دھ ے اب تو سناروں کی بھی مژدہ میں چل
 پکڑ سنڈاسی میں پکڑی..... اپنی دیتے بل
 پہر نہانی کے بازو، ہتھوڑوں کی ہیکل
 سہا ے ہوا کرنے پر نہیں کچھ دل
 بہت سے گاہک اُسے دیکھ جھنجھلاتے ہیں
 دھنڈے کے مست ہوئے چھوڑ کر روٹی گالے
 چڑھا کے نانت کسانوں پہ، ہو کے متوالے
 کتار موٹے کی، پونہوں کے کر بھالے
 پھریں ہیں رکتیوں کے الوبھی کودتے نالے
 پھڑکتے جاموں میں پھولے نہیں سماتے ہیں
 پلاں پھٹی لگا، سارباں کے، پھرے نکھل
 کریں ہیں مالی بھی، باقی ہوا ے گویا بھل
 جو پہلو بولتے، بوتے چلیں دھکھل دھکھل
 چمن میں بیٹھ کے ملے لکے چمیلی تھل
 پھر کے ہار سنکار اپنی سچ دکھاتے ہیں
 خراہ گر کے دو بازو خراہی کا ہلکے
 پھرے ے نونچتا بازار بھیج جوں ہلکے
 چکتے سا پھرتا ے ے باز [۱] ان کے
 لگا کے بلند کسانوں کو ہوگئے جن کے
 سریش لکے دونوں دند پر جماتے ہیں
 یہ دھوبی بچے بھی کر جامہ کو کلپ گندی
 ملدا کے دارہماں، موچھوں کو کر کے پھوندی

بچا کے سستی بُلاتے ہیں چوک کی خلدی
پہریں ہوں کرتے بہم بات گہات میں رندی

ہمیشہ دیہی کو 'صابن لٹا دھلاتے ہیں

بطانا کوندے کا دے ناندھ پھینٹھا بانکی وجہ

ازار گھونکے کی 'کھیریل کا پھر چلتے

لٹکتا چاک بھی بائوں طرف سہر کی طرح

کسہار کرتے پہریں ہر کسی سے بانکی طرح

صبح کو چہاں کے سبزی کھڑے لندھاتے ہیں

نہائی رند ہوئے ہیں 'بوڑھٹی کے بازاری

چلہں ہیں مرزئی سی دھوپ تھکتے آدی

کریں ہوں بولنے میں بند ادسی کلکاری

تلاہ کرتے پہریں سب میں خدمتیں بہاری

بہت تو تخت ملبت کی چوکی جاتے ہیں

چسارویں (ہوڑیاں) تھل بیچ 'کولہو کھو

پہریں ہیں تھلی کے بھی 'تھل بیچ چکنے ہو

اگر سے دھتے ہیں دل بیچ خلدپن کی بو

ہر ایک مولے میں کھتے پہریں 'چلو بے چلو

مڑے سے راہ میں خواجے کے دم چلاتے ہیں

پکو سنداسی میں دیہی کے تلیں بھی آھنگر

وتہی تھال 'بنا دیگ پھوٹی کا بکتر

نہیں ھے جاسوں کا محتاج اب تو قلعی گر

مزاج رندیوں سے کرتے پھینک کر کلکر

پھلا کے کھال کے تئیں 'تکھہ ہو لگاتے ہیں

نظر میں کرتا ہوں بہو بونچے کا لٹک چلنا

ہڈا کے کونچپی کا نہزا..... کوچلنا

چلنے سے نوک پہ پرمل کے طرے کا ملنا

سپہ گری کے کسب بھیج، رات دن چلنا

ہر اک سے اینٹھے دھیں، جادو کر دکھاتے ہیں

ستاری نک پہ دھرے موچھوں کے ہودنے

پیشوری ہونے لگے سیف خانی سچ بلنے

درفس ہانہ، مہیں، بانکے پھرین ہیں چو کلنے

چوگاں چھوڑ کے، آتے ہیں شعر نو سننے

سپاہی بن کے کئی، نوکری کو جاتے ہیں

مشک کو چھوڑ کرے کام تھر تگے کا

کسی کو زور دکھاتا پھرے ہے رقبے کا

سوار بول پہ، دم مارتا ہے حقے کا

چلے ہے دھج کو بلانا رزالہ سقے کا

دو چار یار، پچھوں گھنڈ گاتے آتے ہیں

لگا کے گھنڈیاں، پھرے انگرکھے طوسی کے

لاہوری بلکے سچے پائنجامے سوسی کے

ہانہوں میں گھنڈیاں اور سوٹہ آبلوسی کے

پھرین ہیں اکڑے ہوئے، دودھ پی کے گھوسی کے

وے زور بازو کا، بھیٹسوں سے آزماتے ہیں

اِس میں شک نہیں کہ اب یہ نظمیں ہماری زبان کی شستگی،

ہمارے معادرات کی روانی، ہمارے رسوم و رواج، ہماری معاشرتی ترقی سے

ہزاروں کوس دور ہوگئی ہیں اور انتہا یہ ہے کہ اب ان کو صحیح پڑھنا

اور سمجھنا بھی دشوار ہے - الفاظ نامانوس اور متروک، بلندشہیں اور ترکیدیں بالکل اجنبی - لیکن پھر بھی غور کیا جائے اور اُن کو سمجھ کر پڑھا جائے تو نہ صرف آپ کو چند الفاظ و معادرات اور طرز بیان کی

نوعیت معلوم ہوگی، بلکہ دور محمد شاہی کی شریف گردی اور اراذل پرستی کا صحیح صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا - ہمارا ارادہ تھا کہ اُن الفاظ کے معنی بھی لکھیں جن کی یہاں ضرورت ہے - مگر طول کلام اور تشریح سے اس لئے اجتناب کیا گیا کہ یہاں ہم کو متقدمین کا وہ کلام بجنسہ پیش کر دینا تھا جو نایاب ہے - فرض صرف یہ ہے کہ وہ محفوظ رہے - شاید کسی وقت کوئی شخص ^مشرح لکھنے کا فرض ادا کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے -

حسن

یوں تو حسن تخلص کے متقدمین میں کئی شاعر ملتے ہیں، مگر یہ غزل اُن میں سے کسی کی نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اِس کے مقطع میں جو شاہ آبرو کی طرف اشارہ ہے اور جو صورت ادعا اِس میں ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر شاہ آبرو کا معاصر تھا - زبان بھی پرانی ہے، 'بلدش بھی قریب قریب ویسی ہی ہے جیسی پہلے لوگوں کے یہاں ہوتی تھی - مہر تقی مہر اور شفقت نے اپنے اپنے تذکروں میں حسن کا نام ضرور لکھا ہے مگر کچھ حال نہیں لکھا - صرف ایک شعر لکھ کر خاموش ہو گئے ہیں - ممکن ہے کہ یہ وہی حسن ہوں - بہر حال بہاض میں یہ غزل اِسی نام سے ملتی ہے -

صبا کہو اگر جاوے تو، اُس یار دلبر شوں

کہ کر کر قول پرسوں کا، گہا پرسوں، لگے برسوں

عجیب یہ ابر، اگر جلتوں کو جلتے میں جلاوے گا
 گہا ہے پیار میرا پرسوں، تو کہتا ہے میں برسوں
 تو قاصد وعدہ کرتا ہے کہ پھر آؤں گا پرسوں میں
 کدوتر پھر نہیں آیا، گلی اُس کی سستی برسوں
 ترس تجھکو نہیں اے شوخ اتنی کیا ہے بے ترسی
 ترے دیدار کو میں دیدۂ تر سے کھڑا ترسوں
 تری زلف معطر ہطر سے فتنہ سستی تر ہے
 الہی آبرو دکھائیو پڑا ہے کام ابتر سوں
 غزل اس طرح کہنے میں، حسن کیا تجھ سے بن آئی
 جواب اب آبرو کب کہہ سکے، مضمون پر برسوں

زمانی

باوجود تلاش کسی تذکرے سے اس تخلص کا پتہ نہیں چلا - مگر کلام
 سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مبارک آبرو وغیرہ کے زمانے کے لوگوں میں ہیں -
 کیونکہ کلام میں اس قدر ایہام ہے کہ شاہ مبارک آبرو یا اور ایک آدم
 شاعر کے سوا کسی کے یہاں اتنا اس گورکھ دھندے سے کام نہیں لیا گیا ہے -
 ان کا بہت سا کلام بیاض موجودہ میں موجود ہے - مگر ہم نے چند شعر
 انتخاب کر لیے ہیں اور وہی نذر ناظرین کہے جاتے ہیں -

لہا یہ گھبر کر زلفان نے تھرے کان کا موتی
 گویا یہ ہند کا لشکر اکا آکر ستارا سے

تبا اور شال دی دلہر نے ہم کو دھب شوخ کو پتکا و چیرا

ظلم کرتا ہے کافلی بچتہ سارے عالم کو تار دیتا ہے

جو بد نہیں سے دیکھ اُس سرخی نہیں کو
آنکھوں میں اُن کی لازم ہے کھیلچنا سلائی

کت گیا، لُٹ گیا، پتلیگ کی طرح دل مرا دیکھ تیرے پہنچوں کو

معصیت میں علی کی رفتہ رفتہ ہوا ہے دل مرا اب حیدر آباد

جان میری تن سستی جانی رہی دیکھ تیرے ہاتھ میں پہنچتی صنم

شرم سے پانی، ہوجاریں سب رقبہ گر مرا یوسف ملے آ چاہ سے

قصہ زلف کیا بیاں کھجے بات میں اُس کی شاخسانے ہیں

یہی کانٹا دعا دل میں ہمارے کبھی مچھی نہ دی دریا کنارے

اے کبوتر جا کے کہ یوسف کو کلوں سے نکل

چاہ سے تیری زلیخا ہو رہی ہے باوری

صورت اُن کی دیکھنے سے کہیں نہ ہو حاصل خدا

راستہ سورت کا جا ملتا ہے بہت آلتہ سے

چھوٹی چٹھی سے دل لگا مہرا کہوں نہ دُر دُر کرے، وے ہالی ہے

تلوار مارنے کی ہم قاذب خوب جانی

رستم بہ ایں شجاعت پہنچے نہ پر تلے کو

فغان

اشرف علی خاں نام تھا اور فغان تخلص، دلی کے قدیم باشندے، احمد شاہ بادشاہ غازی کے کو کے اور شیخ علی قلی ندیم کے شاگرد تھے۔ نہایت ظریف اور بذلہ سنج تھے۔ اپنے زمانے کے اسانڈہ میں مانے جاتے تھے۔ سنہ ۱۱۸۶ھ میں انتقال کیا۔ چونکہ ان کا مفصل حال سب بڑے بڑے تذکروں میں ملتا ہے۔ کلام بھی کچھ نہ کچھ تذکروں میں موجود ہے۔ لہذا ہم اُن تین فزلوں پر اکتفا کرتے ہیں جو کسی تذکرے میں نہیں ملتیں اور صرف اِسی بھاض میں ہیں۔ فزلوں کے علاوہ دو مضمیں بھی ہیں جو نایاب ہیں۔

تو اِن بتوں کا عبث آشنا ہوا ہے دل
یہ طرح کون سی ہے، تجھکو کیا ہوا ہے دل
بھلا صدم کوئی جلتے کو بھی جلاتا ہے
اِسے کباب نہ کرنا، جلا ہوا ہے دل
پھرے ہے لوتتا ہر ایک نقش پا کے اُپر
کسی کے پائو سے شائد ہلا ہوا ہے دل
خدا کے واسطے مجھ دل جلے فغان سے نہ مل
نہیں ملے گا، قیامت جدا ہوا ہے دل

تقصیر دل یہ ہے کہ تورا یار ہو گیا
یہ بے گناہ، مفت گنہ گار ہو گیا
اُنا ہمارے گھر کا تجھے عار ہو گیا
ایسا ہمارے نام سے بیزار ہو گیا
اب کیا کسی سے کوئی توقع رکھوں فغان
دلدار تھا مرا، سو دلازار ہو گیا

ترونا ہوں محبت میں مرا نام نہ ہو وے
 دنیا میں الہی کوئی بد نام نہ ہو وے
 گر صبح کو میں چاک گریبان کو دیکھوں
 اے زندہ دالں، حشر تلک شام نہ ہو وے
 آتا ہے مری گور یہ ہمراہ رقیبان
 یعلیٰ مجھے تربت میں بھی آرام نہ ہو وے
 شمشیر کوئی تہز سی لیٹا، مرے قاتل
 ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہو وے
 جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
 تک دیکھو، سودا یہ ترا خام نہ ہو وے

مغضس

اُس بے وفا کا شکوۂ جور و جفا لکھوں یا اِس دلِ فکار کا میں مدعا لکھوں
 یا جل گئے جگر سستی شعلہ اٹھا لکھوں یا چشم اشکبار سے دریا بہا لکھوں
 قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لے کر قلم کرہاتھ میں، گر میں شکستہ جاں چاہوں کہ اپنے درد جگر کا لکھوں بہاں
 گرتی ہے کلک ہاتھ سے، از بس ہوں قاتلواں لکھ لکھ، ہر ایک وقت، نہ کہ، تو، خدا کو ماں
 قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لاچار ہوں میں فکر کیا ہے اے نامہ بر لازم ہے تجھ کو حال سلانا مرا اگر
 دیکھو یہ میرے لخت جگر کو بہ چشم تر کہہ دو یہی ہے تھرے گرفتار کی خبر
 قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

دل اب کہہ ہے مجھ کو، کہ جینے کی تاب نہیں سینہ کہہ ہے، داغ کا اِس جا حساب نہیں

آنکھیں کہیں ہیں، رونے کو اب ہم میں اب نہیں دل اور زباں کو، طاقت حرف جواب نہیں

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لیکن یہ کچھ، نہتہ چہرہ، مجھ، دل مجھ، رب سی

رونے کو مہرے جائے تو، یعقوب سہتی پوچھ

جو صبر میں کیا ہے، سو ایوب سہتی پوچھ

کہتا ہوں اس طرح، کسی اسلوب سہتی پوچھ،

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کافذ تو جل کے، آتش ہجران سے خاک ہے سینہ قلم کا یہ، مرے مطلب سے چاک ہے

رونے کا مہرے شور، سسکنا سماک ہے کہنا انا زباں سے فغان دردناک ہے

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

مختص دیگر

گلشن میں جب ادا سستی اُس کا گزار ہو اور تلک بر میں اُس کی قبا بوتے داروہو

عاشق کا دل بھی دیکھ، نہتے بے قرار ہو اُس دم گلے میں اُس کے پڑا ایک ہار ہو

جب دیکھو بہار تو کھسی بہار ہو

سبزے کی بھی بہار ہو، گل ہو، طرف کھلے روٹھا کہیں سے باغ میں وہ شوخ املے

اور ہاتھ مہرا جبکہ پڑا اُس کے ہو گلے

جب دیکھو بہار تو کھسی بہار ہو

جاتے ہوں ہم ادھر سے، نہ ہو وہیں کسی کے سنگ، تنہا ادھر سے یار بھی آنا ہو بے درنگ

اور اُس کو وہ حجاب سے ملنے کا ہار، تلک، اُس وقت ہم بھی، یار بھی، کوچہ بھی ہوئے تلک

جب دیکھو بہار تو کھسی بہار ہو

ہو سخت چہن ابرو، اور مکھ کو موز دے جب بات کہیں اُس سے تو مانہا سکوز دے

قرنا ہوں مہرے رشق الفت کو توڑ دے گر پکڑوں اُس کا ہاتھ، کہہ مجھ کو چہرہ دے

جب دیکھو بہار تو کھسی بہار ہو

معزوں

نام عالم شاہ، امروہے کے رہنے والے، پھر زادے اور اپنے وقت کے استاد تھے۔ بہت سے لوگوں کو اصلاح دیتے تھے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے ان کے دو شعر نقل کیے ہیں۔ مصطفیٰ نے لکھا ہے کہ جب میں پڑھتا تھا اُس وقت اُن سے ملنے گیا تھا۔ یہ مرثیہ اور سلام بھی کہتے تھے اور نواح امروہہ میں مشہور تھے۔ اِس کے بعد اُن کے تین شعر نقل کیے ہیں۔ مصطفیٰ کی پیدائش سنہ ۱۱۴۱ھ سے سنہ ۱۱۵۶ھ تک ہو سکتی ہے [۱] اُس کے بعد پندرہ سولہ برس کا سن ہوگا جب وہ معزوں سے ملنے گئے ہونگے، اِس سے معلوم ہوا کہ معزوں سنہ ۷۴-۱۱۷۵ھ میں زندہ تھے۔ اُس وقت جو کچھ بھی عمر ہو، مگر شاہ حاتم وغیرہ کے دور میں اُن کا شمار ہو سکتا ہے۔ بہاض موجودہ میں صرف ایک شعر اُن کا ملتا ہے جو کسی تذکرے میں نہیں۔

مہرے قبضے سے نکل کر یوں بگانا ہو گیا کس کمان ابرو کا پار، دل نشانا ہو گیا

منصور

اِن کا اصلی نام مہر منصور تھا، سنہ ۱۱۷۵ھ میں بدھے تھے یا سن کہولت کا زمانہ گزار رہے تھے، کیونکہ تذکرۂ چمنستان شعراء مولفہ لچھمی نرائن شفیق میں جو اِسی سنہ میں مرتب ہوا [۲]، لکھا ہے کہ پہلے اسیر کی قلعداری پر مامور تھے، اب ترک دنیا کر کے لباس فقیری [۳] اختیار

[۱]—اگر مصطفیٰ کا سال ولادت سنہ ۱۱۶۲ھ ہو تب بھی سنہ ۷۴-۱۱۷۵ھ میں معزوں کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے، گو مصطفیٰ کا سن اُس وقت کچھ کم ہو جائے گا، (ادارہ)۔

[۲]—مقدمۂ چمنستان شعراء، ص ۱۶، منابع انجمن ترقی اردو، کتاب کا نام تاریخی ہے، (ادارہ)۔

[۳]—ایضاً، ص ۳۰۵، بقصرت، (ادارہ)۔

کہا ہے - اِسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترکِ دنیا اور فقہری ' وہ بھی ملازمت کے بعد یا تو بڑھاپے کے زمانے میں ہو سکتی ہے یا کم از کم آخرِ زمانہ سنِ کھولت کا ہوگا - اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کے زمانے میں یہ جوان ہوں گے اور اُن کے معاصر کہے جانے کے مستحق ہیں - اِن کی ایک آدمِ فزل مجموعۂ چمن پر نظہر میں بھی ملتی ہے - مگر دوسرے تذکروں میں اِن کا ذکر نہیں ملتا - ایک فزل اِس بیاض میں بھی موجود ہے جو نقل کی جاتی ہے -

ہے یہ دلِ عشق کا بیمار خدا خیر کرے کہا برا اِس کو ہے آزارِ خدا خیر کرے
 بے عمل دیکھو، دیتا ہے سبھوں کو گالی آج کیفی ہے نہتِ یارِ خدا خیر کرے
 آشفانے کی شتابی سے خبر لے بلبل بے طرح پہولا ہے گلزارِ خدا خیر کرے
 بیارنے دیکھ مجھے روکے لبوں سے یہ کہا ہے یہ علتِ میں گرفتارِ خدا خیر کرے

بے طرح مجھ کو ستاتا ہے دل اب اے منصور
 کہا کروں جس کی میں تکرارِ خدا خیر کرے

نثار

معتمدِ امان نام تھا [۱] سعادت اللہ معمار کے بیٹے اور خود بھی فنِ تعمیر میں کامل اُستاد تھے - اچھے وقت کے مشاقِ سخن گو حاتم کے شاگرد اور مہر و مرزا کے مؤقر معاصر تھے - دہلی وطنِ قدیم تھا ، مگر اوسط عمر میں پورب چلے آئے تھے اور لکھنؤ میں قیام تھا - راجہ تکیٹ دائے کے یہاں کار و بار تعمیر اُن سے متعلق تھا - ہروی عزت و حرمت سے بسر

[۱]—میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار ساکن شاہجہان آباد کا ذکر میر حسن کے تذکرۃ الشعراء ص ۲۰۴ میں آیا ہے ، اس لیے ”معتمدِ امان“ غور طلب ہے ، یہ نام اگرچہ تذکرۃ قدرت میں ہے ، لیکن میر حسن کا لکھا ہوا نام زیادہ قریب قیاس ہے - (ادارۃ) -

گرتے تھے - مہر کے اُردر نامے کے جواب میں ایک غزل کہہ کر اُسی مشاعرے
میں پڑھی تھی جس کا مقطع یہ ہے :

حیدر کسّرار نے وہ زور بخشا ہے نثار

ایک دم میں دو کُروں اُردر کے کُٹے چہر کے

چونکہ بڑے پرگو تھے ایک ضخیم دیوان جمع ہو گیا تھا - اب

نایاب ہے ' تھوڑا سا انتعصاب مشعرک تذکروں میں پایا جاتا ہے اور یہا

مولانا حسرت موهانی نے قریب ایک جز کے انتعصاب کلام شائع کیا ہے -

ہم بیاض موجودہ سے ایک غزل لکھتے تھے - اُس میں کے دو شعر انتعصاب

حسرت میں موجود تھے ' باقی کوئی شعر کہیں بھی نہیں ہے -

بولتے ہم سے نہیں ' رات چلی جانی ہے

پھر شرارت کہ وہی بات چلی جانی ہے

سرد مہری نہ کرو آؤ پلنگ پر پھارے

تک بغل گرم کسرو رات چلی جانی ہے

شرم سے منہ کو دوپتے میں چھپا لیتے ہو

ہم سے اِس طرح ملاقات چلی جانی ہے

لکھت دل اشک کے ہمراہ نکلتے تھے تو جان

تیرے بھی غم کی مدارات چلی جانی ہے

کریہ و نالہ و فریاد و فغاں ہی کرتے

اپنی اِس شغل میں اوقات چلی جانی ہے

یہ بڑا عیب ہے تم میں کہ بھری مجلس میں

ہر کسی ساتھ اشارات چلی جاتی ہے

ہم کہیں ' تم ہو کہیں ' شہشہ کہیں ' جام کہیں

ساتھا اب یوں ہی ہر سات چلی جاتی ہے

اُس طرف بھی تو کبھی برق صفت آ جھمکو
 صفت جھڑ بدلی یہ ہبھات چلی جاتی ہے
 ہر گھڑی تجھ کو نہیں جھڑکی و دشنام نثار
 یار ہے اُس کی عدایات چلی جاتی ہے

طَبَقَةُ سَوْم

اِس دور سے مہری مراد اُن شعراء کرام سے ہے جو مہر و مرزا کے معاصر ہیں - چونکہ یہ تعین بہت ہی دشوار تھا کہ صرف انہیں لوگوں کو لیا جائے جو اِن دونوں باکمالوں کے حقیقی مد مقابل یا ہم بزم تھے اس لیے بہ مجبوری اُن سب لوگوں کو لے لیا گیا جو یا اُن کے مطارحوں اور مشاعروں میں شریک ہوئے ، یا جن کا زمانہ اور سن اِن دونوں سے زیادہ تھا اور وہ اِن کے سامنے عالم فانی کو خیرباد کہہ گئے - مگر انہوں نے اُن کو دیکھا اور پایا - تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اِن کے معاصر تو نہیں کہہ جاسکتے مگر اِن کے دیکھنے والوں ، اِن کے شاگردوں ، اِن کے کلام سننے والوں ، اِن کے ادب کرنے والوں ، اِن کے چھوٹوں میں ضرور تھے -

اِن سب لوگوں کو بھی حروف تہجی کے لحاظ سے پیش کیا گیا ہے

جن کی ترتیب حسب ذیل ہے :

- (۱) آشنائے (۲) بھٹخواب (۳) بیٹخود (۴) بھروہی (۵) پاکباز
- (۶) پروانہ (۷) تاباں (۸) جعفر (۹) حسرت (۱۰) حسرت (۱۱) خلیق
- (۱۲) راجہ دام نوائن (۱۳) رضا (۱۴) سودا (۱۵) سیف (۱۶) شوق
- (۱۷) عاشق (۱۸) فدوی (۱۹) فیض (۲۰) قدر (۲۱) قرین (۲۲) مرزا جہو
- (۲۳) مقتول (۲۴) مہر (۲۵) نقی (۲۶) واحد (۲۷) واقف (۲۸) یار -

آشفۃ

یعنی حکیم مرزا شہا قلی [۱] خلف حکیم محمد شفیع اکبر آبادی
ثم اللکھوی - آپ اکبر آباد میں پیدا ہوئے ، تعلیم و تربیت وہیں حاصل
کی ، اور زمانہ شباب میں لکھنؤ چلے آئے - مفصل حال تذکرۂ خمشخانہ
جاوید ، تذکرۂ مصحفی ، تذکرۂ حکیم قاسم میں درج ہے - ہم کو صرف
اندا لکھنے کی ضرورت ہے کہ آپ بذات خود نہایت قابل اور فاضل طبیب
تھے ، میر سوز کے شاگرد تھے ، اپنے مکان پر مشاعرہ بھی کرتے تھے - اپنے
زمانے کے بہترین شاعر تھے - غزل پڑھنے کا انداز بھی بہت اچھا تھا -
سنہ ۱۲۱۵ھ تک کلکتے میں [۲] بقید حیات تھے - تذکرۂ قاسم میں (۷)
تذکرۂ مصحفی میں (۱۲) اور تذکرۂ خمشخانہ میں (۱۰) شعر ان کے ملتے
ہوں - لیکن اکثر شعر باہم مشترک ہیں - ہم بیاض قدیم سے ایک نئی
غزل پڑھ کر تے ہیں جس کا ایک شعر بھی کسی تذکرے میں نہیں -
غزل میں بالکل میر سوز کا انداز نمایاں ہے ، وہی زبان کی صفائی ، وہی
درد ، وہی سوز ، وہی رنگ - ملاحظہ ہو ،

منہم کہاں یہ جو کہیں آئیے اور سو رہیے
خوب اگر نہند ہے تو آئیے اور سو رہیے
تکھہ زانو کا مرے کھجیہ پے خوف و خطر
آپ تشریف ادھر لائے اور سو رہیے
غم ہوا تھا مری باتوں کا تمہیں کسی کس دن
پس مرے منہم کو نہ کھلوائے اور سو رہیے
گر دھیں ہم بھی کسی جائے پہ اب جائیں کہاں
آپ اتنا ہمیں فرمائے اور سو رہیے

[۱]—آشفۃ کا نام تذکرۂ قدرت (س ۳۲ ، ج ۱) میں مرزا رضا قلی بیگ اور گلشن
ہند ، لعف میں (س ۵۰) حکیم رضا قلی خاں ہے - (ادارۃ) -
[۲]—گلشن ہند ، لعف س ۵۲ ، مطبوعۃ لاہور ، سنہ ۱۹۰۶م - (ادارۃ) -

آج کی چاندنی وہ ہے کہ کسی شوخ کے ساتھ
 کھول آفوش لپٹ جائے اور سو رہے
 اِس ادا کا میں دوانہ ہوں کہ انگڑائی لے
 مجھ سے کہتے ہیں کہیں جائے اور سو رہے
 نھند یہ فکر سے آشفته آری ہے مہری
 جی میں آتا ہے کہ کچھ کھائے اور سو رہے

بیضواب

تذکرۂ نساخ اور تذکرۂ بزم سخن میں اِن کا ذکر کیا گیا ہے - اور
 ایک شعر بھی اِن کے نام کے ساتھ نقل ہوا ہے - مگر نام اور دیگر حالات
 سے دونوں مؤلفوں نے لاعلمی ظاہر کی ہے - دوسرے تذکروں میں نہ نام ملتا
 ہے نہ تخلص، نہ کلام - بہر حال تخلص پر اکتفا کر کے بھاض سے ایک غزل نقل
 کی جاتی ہے - انداز کلام سے مصحفی وغیرہ کے معاصر معلوم ہوتے ہیں -

اب کس طرح سے دل میں ترے راہ کھجے
 طاقت نہیں رہی ہے جو اک آہ کھجے
 بندوں پہ اپنے رحم نہیں کرتے اک زوا
 کیا اِن بتوں کے ہاتھ سے اللہ کھجے
 اتنا پھرا ہے یارو، بتوں سے ہمارا دل
 یوسف ہو تو بھی اُس کی نہ اب چاہ کھجے
 حاضر ہیں ہم تو، قتل کرو خواہ بخش دو
 جو کچھ ہو جان، آپ کے دل خواہ کھجے
 جانی ہے جان اب تو ذرا آئے ہم سے مل
 کہ، کب تلک یہ نالہ جانکاہ کھجے

جانا ہے تو تو، کس کو ترے ساتھ بھیجیں ہم
 یہ لختِ دل مگر ترے ہمراہ کھجیے
 بھخواب کس لیے نہیں سوتے ہو آج تم
 ہم کو بھی اپنے حال سے آگاہ کھجیے

بیخود

نام نرائن داس تھا - متصدی گری پر مامور تھے - شاہجہاں آباد کے
 بڑے مہاجلوں میں تھے - ہدایت اللہ خان ہدایت المتوفی سنہ ۱۲۱۵ھ
 اور حکیم ثناء اللہ خان فراق کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اور کہی حضرت
 خواجہ مہر درد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے -
 تذکرۂ حکیم قدرت اللہ قاسم گواہی دیتا ہے کہ نہایت پُرگو اور مشاق
 یہ - چنانچہ حکیم صاحب مذکور لکھتے ہیں کہ ”حاصل کہ میں جوان
 صاحب زبان سخن دان خنداں شہرین زبان عذب الہیاں سیر مشق و مربوط
 است میں شش بہت ازوے است“ حکیم صاحب نے چھ شعر نقل کیے
 ہیں - جن میں سے ایک شعر، ’نَسَاح‘، ’شِیْفَتَہ‘ اور خَمْتَانِہ جابید میں
 نقل ہوا ہے اور بس - ہم کو ان کا ایک پورا مخلص واسوخت کے انداز
 کا ملا جس میں چودہ شعر ہیں، اور یہ کسی تذکرے میں نہیں - ملاحظہ ہو -

کھجیے شوق سے جو، جی میں جفا آئی ہے
 تجھ کو نت اُتھ کے مرے ساتھ یہ مچلائی ہے
 اس لہجے جاں، مرے ملنے کی قسم کھائی ہے
 بن ترے گو کہ مری جان بہ لب آئی ہے
 نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے
 جی نکل جائے تو اے جان نکل جانے دوں
 پر ترے نام کو پہلو سے بھی زنجار نہ دوں

اِس میں گو کوئی کہے کچھ، میں کسی سے نہ سنوں

خواب یہ حق میں مرے خوب ہو یا آنکھ زبوں

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

یہ تو جانوں ہوں کہ جی جاوے گا لے بھٹہ میاں

چھوڑیے تجھکو تو چھوڑے گی مقرر یہ جاں

جان جانا ہو کہ سودا مجھے یا ہوں حیراں

جو کچھ اب ہوئے سو لہیک، میاں صاحب ہاں

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

ناصرنا اتنی بھی ہر روز نصیحت کس کام

تک تو خاموش ہو، دے منہ کے تئیں اپنے لکام

کہوں مجھے عاشقوں کے بیچ تو رکھتا ہے نام

کہ چکا تجھ سے تو میں، جا کے تو اپنا کر کام

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

تجھکو کیا، جو کہ میں دوتا ہوں بھلا، زار نزار

دل مرا، چشم مری، ادر مری جھپ و کنار

بارہا رو کے کہا تجھ سے میں اے یار پکار

جی نکل جائے تو، یا یاس مجھے ہو زنہار

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

ایک دن ہوئے تو سہ جائے کسی کا نصرا

روز کس کے تئیں برداشت ہوگا لہیکی (?) بھلا

ایک ہوسہ بھی کبھی ہمکو خوشی سے نہ دیا

اب اگر پانؤ پڑے آن کے مہرے بخدا

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

سن کے بھٹکود سے لگا کہلے وہ کافر بد خو
 چپکے ہی ہو رہو، بس زیادہ نہ ہم سے بولو
 بارہا دیکھ لیا، دم ہمیں تم دیتے ہو
 یہ بھی شہنشی ہے کوئی روز کی، جو کہتے ہو
 نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ تھہرائی ہے

بیہوش

مؤلف خمسفانہ جارید نے لکھا ہے کہ ایک قدیم سفنور کا تخلص ہے ' جن کا نام معلوم نہ ہو سکا - قلمی مسرودات مہرورہ سنہ ۱۱۶۸ھ میں ان کی چند غزلیں ملیں، ' ان میں سے چند شعر منتخب ہو کر درج ہوئے -
 یہ لکھ کر انہوں نے چھ شعر درج کیے ہیں - جن کی زبان القلمی پرانی نہیں معلوم ہوتی کہ اُسے سنہ ۱۱۶۸ھ سے منسوب کیا جائے - بہر حال میرے پاس ایک مثنوی قلمی انہیں کی موجود ہے، اگرچہ سوائے تخلص کے نام کا اس سے بھی پتا نہیں چلتا، مگر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ زبان گیارہویں [۱] صدی ہجری کے وسط یا آخر کی ہے -
 اس مثنوی کا نام (بولتا) ہے اور بولتا قدیم زبان میں روح کو کہتے تھے اور بعض بعض جگہ اب بھی بولتے ہیں - اس میں روح کے اسرار کو نہایت صفائی سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ذیل میں چند شعر اول مثنوی سے درج کرتا ہوں -

بشنوید اے رہروان زاهدان بولتا ہوں بولتے کی داستان
 بولتے کی راہ پر ہو مستقیم بول بسم اللہ الرحمن الرحیم
 بولتا ہے مد بسم اللہ میں بولتا ہے قل کفی باللہ میں [۲]

ہمار تو اِس بولتے کو سمجھ جان ہ نفخت فیہ من روحی کی شان [۱]
 بولتا ہے کنت کلاً مکتفیا [۲] جسے سب خلقت کے تئیں پیدا کیا
 ہوگا جب اِس بولتے کا یار تو لن تذلوا الہر حتی تلفقوا [۳]
 بولتے کو بولتا دیتا ہے قوت بولتے کا نام حی لا یموت [۴]
 بولتا بدھون ہے اور بے چگون بولتا بے شبہ ، بے شک ، بے نمون
 اول اور آخر وہی ہے بولتا ظاہر اور باطن وہی ہے بولتا
 بولتا علم الیقین ، مہن الیقین حق بحق ہے بولتا حق الیقین
 بولتا آواز اور انجام ہے حضرت آدم بولتے کا نام ہے
 اور یہ ہے اک لطیفہ بولتا اور زمیں کا ہے خلیفہ بولتا
 بولتے ائمہ مہن سب اہل کمال بولتا ہے خاص ذات ذوالجلال

بولتا ہی مخزن اسرار ہے

بولتا ہی معدن انوار ہے

پاکباز

مہر صلاح الدین نام - مکہن مہان عرف ، سہد شاہ کمال کے بھائی اور شاہ
 جلال قدس سرہ کے پوتے تھے - دہلی کے قدیم باشندے تھے - گوشہ نشینی
 اور اوراد و وظائف میں زندگی بسر کرتے تھے - اسی واسطے لوگوں سے ملتے
 جلنے کا موقع کم ملتا تھا - کبھی کبھی مہر تقی مہر کے یہاں مشاعرے
 میں آیا کرتے تھے - مصطفیٰ خان یکرنگ کے شاگرد تھے - مہر صاحب کو
 اُن کے صرف دو شعر ملے ہیں -

[۱]—میں نے اُس میں اپنی روح پھونکی ، (ادارہ) -

[۲]—میں چھپا ہوا خزانہ تھا ، (ادارہ) -

[۳]—تم نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک خرچ نکرو ، (ادارہ) -

[۴]—ایسا زلفہ جو کبھی نہ مرے ، (ادارہ) -

جکڑے تمہارے حسن کے نت ہوں یہ ہم کہیں
 تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں
 مجھے درد و الم رہتا ہے نت گہرے مہاں صاحب
 خبر لیتے نہیں کیسے ہوتے مہرے مہاں صاحب

قائم، مولانا محمد حسنین آزاد، قدرت اللہ قاسم، نساج کو صرف شعر
 نمبر ۱ مل سکا۔ لالہ سرپرآم، ایم۔ اے، نے اپنے تذکرے خستہ خانے میں دو شعر
 ان دو شعروں کے علاوہ بھی لکھے ہیں۔ ان کی ایک فزل پانچ شعر کی ہم
 موجودہ بیاض سے پھس کرتے ہیں، جس کا کوئی شعر کسی تذکرے میں
 نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مشاعرے کی فزل ہے، کیونکہ اسی طرح
 میں شاہ مبارک آہرو کی فزل بھی آب حیات میں درج ہے۔

اگر ہم جانتے ہم سے جدا ہوگا وہ کر پیتا
 قسم حضرت حسن کی زہر ہی کا جام بھر پیتا
 کسو ہلندو مسلمان پرستم ایسا نہ ہو یارب
 جدائی سوں جو کچھ اُس بیوفا کی مجھ پر پیتا
 کوئی معشوق کب عاشق پہ اِنلا رحم کرنا ہے
 کڑھے تم میرے مرنے سے، خدا تمکو رکھے جیتا
 ہمارے ساتھ کب وہ عاشقی میں بلبھوس تہہرے
 یہ دل گردا کہاں اُس کا جو یہ خون جگر پیتا
 مجھے کہتے ہیں سب مرداں کہ ہے وہ پاکباز اُس بن
 کہ جس کا جی نکل جانا ہے سو رہتا ہے کب جیتا

تذکرۂ چمنستان شوق میں بھی چار شعر موجود ہیں، جن میں سے
 دو وہی ہیں جو مختلف تذکروں میں ہیں، اور دو بہترین نئے شعر ہیں۔

جو آب نہ مرے تو پھر انتظار میں مرے
خدا خزاں نہ دکھاوے بہار میں مرے
تمام عمر شرابیوں پہا کہے ساقی
ہزار حریف کہ آخر خسار میں مرے
ان شعروں کو دیکھنے سے ان کے کمالِ مشائی کا پتا چلتا ہے -

پروانہ

علی شاہ نام ، مراد آباد کے باشندے ، قہام الدین قائم کے شاعر اور عہد
شاہ عالم کے شاعر تھے - ایک شعر اُن کا تذکرہ نساخ اور تین شعر اُس کے
علاوہ تذکرہ خستخانہ جاوید میں درج ہیں - اِس بیاض میں ایک غزل
اُن کی پائی جاتی ہے جس کا کوئی شعر دونوں تذکروں میں نہیں -
غزل کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ مشاق شاعر تھے - اور خوب کہتے تھے -
زبان ایسی صاف ہے کہ ایک آدمہ جگہ کے سوا بالکل آج کی معلوم
ہوتی ہے -

اُس کا پیغام مجھے کہوں کہ زبانی آوے
نام سلتے ہی مرا جس کو گرانی آوے
جھوٹ کہتا ہے دے قاصد ، یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب تک نہ نشانی آوے
فاصحا ہم ترے کہنے سے کریں ترک شراب
اِس توقع پہ ، اگر پھر کے جوانی آوے
دین و دنیا سے سروکار ہے کس کافر کو
رات دن فکر یہی ہے ، کہوں جانی آوے

جاگے گلشن میں کروں چاک گریہاں اپنا
 سہر گلشن کی بھی مجھ دل کی دوانی آوے
 کچھ چھپا نہیں ہے، نمودار ہے پروانے کا حال
 شمع کی طرح نہ گو چرب زبانی آوے

قباں

قباں کے موجودہ مطبوعہ دیوان ' مرتبہ سید بادشاہ حسن صاحب
 میں - جو کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن کے نسخے (مرقومہ سنہ ۱۲۲۶ھ)
 کی نقل ہے اور جس کو مولوی وزیر علی صاحب مدرس سنی کالج
 حیدر آباد کے کتب خانے والے نسخے مرقومہ سنہ ۱۲۳۵ھ سے بھی ملا لیا گیا
 ہے - ایک فزل کا صرف شعر نمبر ۲ ہے جو یہ ہے :

ترے رخسار پر دیکھا جو میں نے زلف کو ظالم
 دلوں کے قید کرنے کے لیے زنجیر پھرتی ہے

حالانکہ مطبوعہ دیوان کے دیباچے میں مرتب نے وہ شعر بھی
 لکھا ہے جو مہر حسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے اور جس سے قباں
 کی معصیت کا سلیمان کے ساتھ پتا چلتا ہے - تعجب ہے کہ مرتب نے
 فزل میں اُس کو کہیں شامل نہیں کیا - بہر حال ہماری بھاض میں
 پانچ شعر کی حسب ذیل فزل موجود ہے -

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے
 ولہکن حق تعالیٰ کی نہیں تقدیر پھرتی ہے
 ترے رخسار پر دیکھا جو میں نے زلف کو ظالم
 دلوں کے قید کرنے کے لیے زنجیر پھرتی ہے

نہ گل کچھ بات کہتا ہے، نہ فلچہ منہ لگاتا ہے
 چمن میں آج بلبل، دیکھ تو دلگیر پھرتی ہے

سلیساں کیا ہوا ، گر تو نظر آنا نہیں مجھ کو
 مری آنکھوں کی پتلی میں ، تری تصویر پھرتی ہے
 نہ ہو قربان کہوں قاباں سن او ترک کماں ابرو
 تری ترچھی نگہ جوں باز گشتی تھو پھرتی ہے
 اسی طرح ایک اور غزل ہے جس میں سات شعر ہیں ، مطلع یہ ہے -
 دکھتا تھا ایک جی سو ترے فم میں جا چکا
 آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم ملا چکا
 مطبوعہ دیوان میں پانچ شعر ہیں - یہ دو شعر جو حقیقتاً
 غزل میں بہت الغزل کہے جانے کے قابل ہیں موجود نہیں ہیں -
 کچھ فائدہ نہیں ہے نصیحت کا اب مری
 ناصح حیا ، مہیں عشق میں اپنی ، آرا چکا
 کس منہ سے بولتے ہو ، مختلط ہو ، مجھ سے اب
 جب تک تھا حسن ، ناز تمہارا اُٹھا چکا
 اسی طرح ردیف ض میں ایک غزل ہے جس میں پانچ شعر ہیں ،
 مطبوعہ دیوان میں صرف چار شعر ہیں ، ایک شعر نہیں ہے -
 جو داربہا لے دل کے تئیں اور پھر نہ دلداوی کرے
 دھتا ہوں بے دل اُس سے میں ، اُس بے وفا سے کیا فرض

جعفر

جعفر علی خاں نام تھا ، عہد شاہ عالم کے مشاہیر امرا اور
 خواہش گوہوں میں سے تھے - ان کا صرف ایک مطلع تذکروں میں ملتا ہے -
 چمکتے دانت دیکھے یار کے مسی لگانے میں
 جڑیں ہیں قطبہاں الساس کی ، نہلم کے خانے میں

مگر ہم بیاض موجودہ سے دو مکمل فزلیں ' دو فزلیں کے دو دو شعور
اور ایک قطعہ مبارکباد جو انہوں نے اپنے زمانے کے کسی بڑے عہدے دار کی
تعریف میں کہا ہے ' درج کرتے ہیں - فزلیں سے علم ' مشاقی اور
خوش گوئی کا پتہ چلتا ہے -

پاس ہونے سے مرے اِننا جو بھزار ہوئے
سچ کہو ' کس کے مہاں ' اِن دنوں تم یار ہوئے
دل و دیں لے تو چکے ' طالب جاں ہو اب کہا
سارے خوبان جہاں میں تمہیں عیار ہوئے
اپنے بالہن قم عشق کے بالہن (۹) پہ صنم
ایک دم آ نہ کبھی تم مرے غمگوار ہوئے
ہم سے ہمساری دل کا نہ ہوا کچھ بھی علیج
جعلی کی ہم نے دوا اُننا ہی بیمار ہوئے
مژدہ اے مرگ کہ ہم معرکہ عشق میں آج
پہلے ملصور نمط آ بہ سرِ دار ہوئے
دام الفت میں ترے دیکھ کے اے دانہ خال
یک بھک آ کے ' بہت ہم سے گرفتار ہوئے
تم سے اُمید وفا تھی نہ جفا تھی خواہش
اِس قدر کس کے لیے میرے دل آزار ہوئے
حیف صد حیف کہ ہم دور ہوں تجھ سے اے یار
فہر یوں آ کے ترے محسوم اسرار ہوئے
شرم عصاں سے نہ ہو اُننا ملول اے جعفر
شائع روز جزا حیدر گار ہوئے

تجہ کو اے میرے یار سچ کہو کس کا ہے انتظار سچ کہو
 دل تمہارا ہے کس طرف مائل رہتے ہو بے قرار سچ کہو
 تمہرے آنے کا کیا ہوا باعث اِس طرف کو گزار سچ کہو
 مے اُلٹ کا گھر کا اے صنم کہیں جئے ہو خمار سچ کہو
 اب تجہ سے کہوں جو کچہ ہے دل میں میرے

سب تجہ سے کہوں جو کچہ ہے دل میں میرے

ناصر تو عبت جان کہانا ہے مری

کب تجہ سے کہوں جو کچہ ہے دل میں میرے

آرام نہ دل کو بے قراری کے سبب نے چشم کو خواب آہ و زاری کے سبب
 واقف نہ تھے ہم تو اِن بلاؤں سے کبھی جو کچہ دیکھا، سونہری یاری کے سبب

دزم اعدا کو جو میدان معارک ہووے

سیف کو آیۃ والفتح یلارک (?) ہووے

سلطنت میں شہ عالم کی ہوئے تم ناظم

حافظ اب سورۃ والشمس و تبارک ہووے

ذات سے تھری ہیں وابستہ امورات جہاں

تمہیں سے کام وزارت کا تدارک ہووے

ایک یہ سال ہزار اور بتائید خدا

بنگشی الملک یہ نور مبارک ہووے

دوستوں کو ترے 'دن مہد ہو' شب بزم نشاط

دشمنوں کو ترے 'یہ سیف بتارک ہووے

اپنے جعفر کو تو در در نہ پھرا صاحب جود

تھری دولت میں نیک کا ترے شاکر ہووے

حسرت

مہرزا جعفر علی نام ، حسرت تخلص ، قدیم دہلی کے باشندے تھے ۔
 ان کے بزرگوں کی دہلی میں اکبری دروازے کے قریب عطاری کی دوکان تھی ۔
 انہوں نے خود لکھنؤ میں نقاس کے اندر عطاری کی دوکان رکھی تھی ۔ یہ
 سرپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے ۔ اور ان کے اگلے شاگرد تھے کہ یہ خود ان کو
 پہچان نہ سکتے تھے ۔ ان سب میں شیخ قلندر بخش جرات بہت نامی
 تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شاہزادہ مرزا جہاندار شاہ کی وفات
 میں آکر عطاری کا پیشہ چھوڑ دیا تھا ، اور پھر گوشہ نشین ہو گئے تھے ۔
 اسی عالم میں سنہ ۱۲۱۰ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا ، اور وہیں دفن
 ہوئے ۔ یہ مرزا علی لطف کا بیٹا ہے ، جو ان کے ہم عصر تھے ۔ لیکن خستخانہ
 جاوید میں سنہ ۱۲۱۷ھ ان کا سال وفات لکھا ہے ، اور کوئی حوالہ نہیں
 دیا ہے ۔

ایک کلمات ان سے یاد گار ہے جو بہت کمباب ہے ۔ اُس میں دو دیوان
 غزلیات کے بھی ہیں ۔ ان کے علاوہ اُس میں تمام اصناف سخن پائے جاتے
 ہیں ۔ لیکن سوائے اُس انتخاب کے جو تذکرہ نویسوں نے درج کیا ہے عام طور
 پر ان کا کلام نہیں ملتا ہے ۔ مولانا حسرت موہانی نے قریب قریب ایک جز
 کا ان کا انتخاب شائع کیا ہے ۔ مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کو بھی پورا کلام
 دستیاب نہیں ہوا ۔ یونہی کسی مجموعے سے یہ کلام لیا گیا ہے ، ورنہ ایک
 ضخیم کلمات کا انتخاب صرف ایک جز ! سمجھ میں آنے والی بات نہیں
 ہے ۔ بہر حال یہ چند شعر جو ہم کو ملے ہیں کسی تذکرہ یا انتخاب
 میں نہیں ملتے ۔

کب تک میں دل میں فم کو چھپاتا رہا کروں
 یارو جگر جلے ہے نہ روں تو کیا کروں

آگے ہی اُس کے غم سے ہوں مہیں نیم جاں اے آسماں
 نسیر نہ دکھ دے مجھکو تو اے آسماں اے آسماں
 قفس میں بلبلیں کہتی تھیں کل صیاد سے دور
 ہماری جان جانی ہے تجھے ظالم تماشا ہے
 میں 'کھا کہوں کہ کھا ہے جگر اور کھا ہے دل
 آشکدہ جگر ہے ' یہ ماتم سرا ہے دل
 ناصح تو رات رونے سے مت ملا کر مجھے
 کیونکر نہ روؤں میں کہ مرا گم ہوا ہے دل
 چاہے تو جی دے لطف سے چاہے تو قتل کر
 جس میں تری رضا ہو ' سو کر ' مبتلا ہے دل

حشمت

نام میر محمد علی یا محمد علی خاں تھا - گلشنِ بے خار میں
 پہلا ' اور تذکرۂ قدرت میں دوسرا نام مذکور ہے - بقیۂ تذکرۂ نویسوں نے
 صرف محمد علی حشمت لکھا ہے - قدیم وطن کشمیر تھا - مگر غالباً
 آبا و اجداد ترکِ وطن کر کے دہلی میں سکونت گزین ہو گئے تھے ' تاہم وطن کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع نہیں تھا - یہی وجہ ہے کہ
 حشمت مرحوم ' فنی بیگ قبول [۱] کے شاگرد ہوئے -

حشمت کے دو بھائی اور بھی تھے ' جن میں سے ایک کا نام عابد
 علی خاں [۲] اور دوسرے کا مراد علی خاں تھا - اور شاہ عالم ثانی کے یہاں
 داروغہ جواہر خانہ کی خدمتِ عالیہ پر مامور تھے -

[۱]—ان کا نام مرزا عبدالغنی کشمیری تھا - دہلی میں رہتے تھے - اسی لیے حشمت کو
 ان کی شاگردی کا موقع ملا - کشمیر کی آمد و رفت کی وجہ سے نہیں - (ادارۃ)
 [۲]—عابد یار خاں ' تذکرۂ قدرت و خطائے جاوید ' (ادارۃ) -

حشمت بذات خود نہایت جری زور آور بہادر اور اپنے وقت کے مشہور دلہروں میں تھے۔ فلون سپہ گری کے زبردست مشاق، پہلوانی میں طاق، پہنکیتی میں شہرۂ آفاق تھے۔ اگرچہ مہر نقی مہر نے اُن کے اخلاق پر سخت حملہ کیا ہے، اور یہ جملے اُن کے لئے استعمال کیے ہیں کہ ”اکثر ہر شعر ہائے مردماں اعتراضات پر جا مہکد“ و جواب باصواب می یافت، حاصل عجب ہنگامہ پردازے بود۔ دریں ایام ہم چو روے ہم بہم نمی رسد۔“ مگر مہر صاحب خود شعلہ مزاج تھے! بخلاف اِس کے مہر صاحب کے معاصر اُن کی راے سے اختلاف کرتے ہیں، قائم لکھتے ہیں، ”حہا و حمیت و آدمیت خلاف کلئہ وطن داشت..... ہمانجا مع خان مذکور بجزائ تمام کشتہ شد۔“ - حکیم قدرت اللہ قاسم کہتے ہیں، ”گریلد کہ مردِ خوش معاش صاحب تماہ بود۔“

حشمت کی شاعری کو بھی مہر صاحب نے بہت برا کہا ہے، ”در شعر ریختہ کہ بسہار پاجیانہ می گفت، گہا دارد“ مگر اِس سے کیا ہوتا ہے؟ (۱) حکیم قدرت اللہ قاسم اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں ”از دیرینہ مشقانِ دیریں زماں و اُستادِ عبداللہی تابان است۔“

(۲) مصطفیٰ فرماتے ہیں ”شعر فارسی را بسہار بہ لطافت مہکفت و گاہ گاہ خیال ریختہ ہم داشت۔ این مطلع دلہل بر لطافت طبع اوست“ نگہت گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ

پہر زنجہر کی جہلکار پڑی کان کے بیچ۔“

(۳) مہر حسن کا خیال ہے ”شاعرِ مربوط گو و دقت پسند بود۔“

(۴) مؤلفِ خمخانہ جاوید کہتے ہیں کہ ”حشمت فضیلتِ علمی

کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے۔ مگر اِس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے۔“

میں نے اُن کا فارسی کا ایک واسوخت دیکھا - حقیقتاً اُستادانہ رنگ ہے - اُردو کا اندازہ اِس نایاب کلام سے آپ کو خود ہی ہو جائے گا - بہر حال تذکروں کے دیکھنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے کامل الغن اُستاد تھے -

مؤلفِ خمخانہ جاوید نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۱۸۸ھ میں دُھیلوں کی لڑائی میں نواب قطب الدین خاں بندرہ نواب نعمت اللہ خاں دُھیس مراد آباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور علی محمد خاں دُھیلے کی فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے نہایت شجاعت و مردانگی کے ساتھ مقتول ہو کر سرخرو ہوئے - میر عبدالصی تاباں اول اول اُنہیں کے شافروں تھے - چنانچہ اُن کی شہادت کی خبر سن کر انہوں نے نہایت درد انگیز الفاظ میں ایک مرثیہ لکھا ہے - جو اِن کے دیوان میں موجود ہے ، اور جس کے بعض شعر نہایت درد انگیز ہیں ، جو دلی رنج و غم کا پتہ دے دے ہیں - مثلاً

چھوڑ عالم کا دید واویلا کی شہادت خرید واویلا
ہو اجل مستفہد واویلا یار ہوں نا اُمید واویلا
ہائے حشمت شہید واویلا

میں وہی ہوں کہ ایک دم میں جو وحشی ہوتا تھا بن ملے دو دو
ایک دم چہن ہی نہ تھا مجھ کو سو ہے موقوف خواب میں اب تو
ہائے حشمت شہید واویلا

تھرا تاباں غریب خستہ جگر فکر تاریخ میں تھا حد مضطر
مصرعِ آخری پہ کی جو نظر کد سے ہائف نے اُس کو دی یہ خبر
ہائے حشمت شہید واویلا

اگر آخری مصرع کے اعداد نکالے جائے ہیں تو خمخانے کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا ، کیونکہ اُن کا سن وفات سنہ ۱۱۴۷ھ نکلتا ہے ، اور

یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے - نہ صرف اس وجہ سے کہ قباں اُن کے شاعر تھے ، بلکہ اس وجہ سے بھی کہ نواب علی محمد خان روہیلہ کی شمعِ زندگی سنہ ۱۱۶۲ھ میں بجھ چکی تھی -

حشمت کا کلام ممکن ہے کہ کسی خاص لائبریری میں موجود ہو مگر عام طور سے وہ بالکل نا پید ہو چکا ہے ، انتہا یہ کہ تذکرۂ قدرت اللہ قاسم میں بھی صرف دو شعر پائے جاتے ہیں -
خط نے ترا حسن سب گلوایا یہ سبز قدم کہاں سے آیا

نکبت گل نے ستایا کسے زنداں کے بیچ پھر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

مہر کے یہاں بھی دو شعر ہیں - پہلا شعر وہی جو لکھا جا چکا کسی قدر اختلاف کے ساتھ ہے ، دوسرا شعر یہ ہے -

جب آخزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل
تب عندلہب دو کے پکاری کہ ہاے گل

تذکرۂ مہر حسن میں یہی دو شعر ہیں اور مہر کے مطابق ہیں -

تذکرۂ قائم میں ان میں سے پہلا شعر ہے جو مہر کے مطابق ہے - اور

تذکرۂ لچھمی نرائن شفیق میں بھی یہی دو شعر ہیں - تذکرۂ مصحفی

میں نئے دو شعر ہیں -

گور کے سوتے دوانوں کو جگانی ہے بہار

شور ہے قل ہے قہامت مست آتی ہے بہار

حشمت اپنا درد دکھ تو اس برس مظہر سے کہہ

ہم نے کی ہے توبہ اور دھو میں مچانی ہے بہار

تذکرۂ حشمت جاوید میں دو شعر ہیں ، ایک وہی جو پہلے نمبر پر

مہر کے یہاں ہے ، دوسرا شعر نہا ہے -

ہم نے لہا ہے گہر مجھے یاں تلک کہ اب

دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل

تذکرۂ گلشن بے خار میں پہلا شعر ہے اور تذکرۂ قدرت کے موافق ہے ،
تذکرۂ نساج ، میں وہی دو مذکورہ شعر ہیں - اس حساب سے اُن کے کُل
چھ شعر ملتے ہیں - لیکن ہم اپنی بیاض سے ایک مضمّن واسوخت
۳۶ بند کا پھس کرتے ہیں - اور ایک مضمّن ۷ بند کا ، جو کلام کا ایک
معتد بہ حصہ ہے اور غالباً یہ نوادر میں سے ہے -

واسوخت

یا الہی میں کہوں کس ستمی اپنا احوال

زلف خویاں کی مرے دل کو ہوئی ہے چنچال

یا رب اس پہچ ستمی اس دل شہدا کو نکال

کاش ، یا موت ہو ، یا دور ہو سر سے یہ خہال

تجھ سرا اور ستمی میں یہ کہوں اپنا حال

تیری ہی ذات سے میرا تو یہ ہر دم ہے سوال

ساز آباد خدا یا دل ویرانے را

یا مدہ مہر بُتیاں ہچ مسلمانے را

کہوں رے دل ، جائے پہنسا میں نہ تجھے کہتا تھا

عشق ہے دام بلا ، میں نہ تجھے کہتا تھا

ہائے خویاں کے نہ آ میں نہ تجھے کہتا تھا

کر کے فریاد سدا میں نہ تجھے کہتا تھا

اُن کی باتوں پہ نہ جا میں نہ تجھے کہتا تھا

دیکھ اب اُن کی وفا میں نہ تجھے کہتا تھا

انچہ کردی تو دلا با خود و 'با جانِ من
 کس نہ کردست چلنیں کار کسے با دشمن
 تجھ کو اُس شوخ سے تنہا نہ پڑا ہے پالا
 مفت میں مجھ کو تولے کر کے بلا میں ڈالا
 یوں ہوا ہے تو مرنے جان کا لیٹے والا
 ہائے افسوس میں دشمن کو بغل میں پالا
 مل کے آنکھوں سے دوانے تو مرا گھر گھالا
 سچ کہہ اے دل کہ بھلا میں نے ترا کیا ڈھالا
 ایسے زمان چارہ نہ دارم کہ چہ تدبیر کنم
 کردہ خود بہ کہ گویم و چہ تقریر کنم
 کیا کرے دل بھی، مصیبت کا بُرا ہے یہ فسوس
 کب تلک دل سستی اِس کا وہی ہے جا کو سہوں
 اِس فم و درد و تباہیج کہاں تک جو مروتوں
 کب تلک شمع نمط، فم سستی رو رو کے جلوں
 اب نہیں تاب زیاں کو کہ میں خاموش رہوں
 کیونکہ اب حالِ دل اُس شوخ سے جا کر نہ کہوں
 شرحِ این آتشِ جان سوز نہ گفتن تا کے
 سوختم سوختم این سوز نہ گفتن تا کے
 یار تجھ زلف کے سودے میں پریشاں ہے دل
 تہرے دیدار کا جوں آئینہ حیراں ہے دل
 داغِ ہجراں سے ترے رشکِ چراغاں ہے دل
 گاہِ دہراں و گاہِ شمعِ شبستان ہے دل

کس قدر اچھے کہے سے، یہ پشیمان ہے دل

کیا کہوں تجھ سے، بہت بے سروسامان ہے دل

حالِ دل سوختہ شوقِ چہ شنیدنِ دارد

بہبود است، این قدر، آئینہ کہ دیدنِ دارد

تم سے امید بھی تھی کہ یہ بیداد کرو

دل ہمارے کو رہا، فہر کا دل شاد کرو

جرم کیا ہم سے ہوا، جانِ من ارشاد کرو

تب مجھے بلندگی اپنی سستی آزاد کرو

خاکساری کو مری ورنہ کہوں برباد کرو

کچھ تو اُس اگلی بھی اُلفت کو صنم یاد کرو

یاد باد آنکہ سرِ کوئے توام منزل بود

بزیں بود مرا انچہ ترا در دل بود

کہوں دے بے مہر، تجھے یاد ہے وہ اگلی چاہ

ایک دن مہری جدائی کا، تجھے تھا اک ماہ

کہ تو مجھ سات کہ اثبات کیا جو گداز

ہرگز احوال یہ مہرے نہیں تو کرتا نگاہ

بلکہ کہتا ہے دقہوں سے، نہ دو اِس کو دہ

اِس قدر ہم سستی بیزار ہے سبحان اللہ

یاد باد اُن کہ بہ بزمِ رہِ بیگانہ بود

گردِ شمعِ رخِ تو خرمینِ پروانہ بود

اِس قدر چشمِ مروت کا اتھا مت اک بار

تک تو اب دل میں سمجھ اپنے، کر انصاف اے یار

کچھ کلا ہوں میں تجھے کس نے بلایا نکدار
 ورنہ خوباں میں نہ کرتا تھا کوئی تجھ کو شمار
 بلکہ پھرنا تھا ہر اک جاے یہ تو سو سو بار
 اپنی مجلس میں نہ دیتا تھا کوئی تجھ کو بار
 ایسے زمانے جاے تو در دیدۂ مردم شدہ است
 دوسے زیبائے تو از دیدۂ ما کُم شدہ است
 باندہ عداوت پتے چہرے کا سکھایا ہم نے
 تلک جامے کو تری بر میں کھبایا ہم نے
 دکھ کے جمدھر کو تجھے تیکھا بنایا ہم نے
 اکثر چلنے کی وضع تجھ کو بتایا ہم نے
 شوخی و ناز کے عشوے کو جتایا ہم نے
 ہانہ اپنے سے فرضِ تجھ کو گلوایا ہم نے
 ایسے نہ گویم کہ من از دست تو گشتم دلریش
 کردۂ خویش، مثل هست، کہ می آید پیش
 سچ کہو، کس سے تمہاری بھی یہ لاگی ہے لکن
 کہا ہوا، کس کو نکا، کس کا لیا ہانہ میں من
 ہم سے کچھ روز تلک ہی میں لہو پھر نہیں
 کہا ہوا تم نے جو ہم سانہ کیے تھے وہ بچپن
 دل مرا توت گیا تجھ ستنی اے عہد شکن
 حیف اس دل کی قدر تو نے نہ جانی دے سجن
 دل کہ طومارِ وفا بود منِ معززوں دا
 پارہ کردی تو، ندانستی صنم، مضمون دا

واہ واہ ایسی بھی دیکھی ہے وفا تم سہتی
 اب کوئی طرزِ وفا سیکھ لے آ تم سہتی
 غبر کے واسطے جو مجھ پہ ہوا تم سہتی
 مہوں تو لاچار ہوں سمجھے گا خدا تم سہتی
 مہوں عبث غبر کا شکوہ ہے کیا تم سہتی
 دیکھ لیتا تھا جو کچھ، دیکھ لہا تم سہتی
 گر بہ ظاہر بہ کسے خلق نکو خواہی کرد
 شوخ بامنا تو چہ کردی کہ بہ او خواہی کرد
 ارٹا دل کو مرے تم نے لہا ہر عنوان
 اب جھوکتے ہو مجھے دیکھ کے یہ بھوپن تان
 مہیں تو معلوم کیا ہے فرض اب بات کا جان
 بسکہ ہوتا نہیں کچھ ہم سے، لہا تم نے یہ جان
 خوب نہیں زیادہ نہایت حد سستی کرنا یہ گمان
 حسن بھی جائے گا، تو جان لے آخر کو ندان
 تو نہ دانی کہ فمِ عاشقِ زارت باشد
 گو شود خاک، ہر اس خاکِ گزارت باشد
 چشمِ بد دور مہاں خوب نکالے یہ دھنگ
 جا پھوڑوں میں، قدحِ بھر کے، لگے ایلے بھنگ
 خلدوں میں بھٹھ کے سیکھے ہو بجائی منہ چنگ
 اب تو جا کر اے کسو ساز، کروں گا میں چنگ
 چھوڑو یہ طور مہاں، تم نہ کرو ہم کو بہ تنگ
 اس قدر آپ سستی ہم نے اُتھایا ہے تنگ

من اگر کشتہ شوم باعثِ بدنامیِ تست
 موجبِ شہرت و بے باکی و خود کامیِ تست
 مصیبتِ بد میں تمہیں آتھ، پھر خلوتِ ھ
 غیر کے ساتھ، شب و روز تمہیں خلوتِ ھ
 دیکھ کر طور تمہارے، مجھے یہ حیرتِ ھ
 کہ ہو تم آدمیِ زادے، تو یہ کہا غہرتِ ھ
 واہ وا چاہیے ایسا ہی تمہیں رحمتِ ھ
 ایسی برداشت کی، کہم، کسکو سجن طاقبتِ ھ
 گر چنوں است کہ دائم بہ ملامتِ باشد
 مایہ خوریم، شما نہو سلامتِ باشد
 تم سے کہتے ہیں حریفانِ وعا رازِ مدام
 اے میاں ہم میں تیری مہتھی مصیبت کے غلام
 خطا نکالو گے تو معلوم ہوگا اُن کا کلام
 سب چلے جائیں گے آخر کو تمہیں کر بدنام
 پھر تو رسوا کریں گے مل کے تجھے خاص و عام
 دیکھ، پھر بھی سمجھ، اے یار، نہ کر ایسا کام
 زان بھندیں کہ از کردہ پشیمانِ باشی
 جمع با جمع نباشی و پریشانِ باشی
 اِس قدر یار بُرے کام اُپر، مت مَن دے
 مان مہرا بھی کہا، بات مری سُن، مَن دے
 مت ملا کر توڑ تھپوں سے، کہ وے ہیں خلدے
 کر کے بد نام تمہیں جائیں گے وے سب خلدے

کہا بُرے مہوں گے تمہیں مہمت کے ہم سے بلندے
 ایک بو سے کے کبھی جان ' نہیں شرمندے
 عاشقے ہم چو ملت نہست ' خدا می داند
 پاک بازم ' ہمہ کس طرز مرا می داند
 کاش کے ' تجھ سے مرے مہر کے دشتے تو تھیں
 تب تو اے یار ' مرے دل کے پھپھولے پھوٹیں
 غھر سے مل کے تم ' ہم سا نہ نہ پوچھو جھوٹیں
 ہم ترستے ہی رہیں ' غھر مزے سب لو تھیں
 کب تلک زہر کے گھونٹوں کو مہاں ' ہم گھونٹیں
 مار بھی ڈال بلا سے ' تو بلا سے چھوٹیں
 ایں قدر زندگیِ خویش مرا دشوار است
 گر نہ کشتی ' حق تو برمن یار است
 کہا کوئی آو ' مرے یار ' نہ تھا دنیا میں
 کہا کوئی آو طرح دار نہ تھا دنیا میں
 کہا کسو ساتھ کسو پیار نہ تھا دنیا میں
 زلف تھری سے سروکار نہ تھا دنیا میں
 عشق سے کون گرفتار نہ تھا دنیا میں
 زلف تھری سے سروکار نہ تھا دنیا میں
 ہر کس ہم چو من از دست تو ہم خوار نہ شد
 خوار و رسواے سرِ کوچہ و بازار نہ شد
 دل مرا سرمہ نمین ' سلگِ ستم سے ہے چور
 تو بھی آنکھوں میں تری ' یار ' نہیں ہے منظور

ہاتھ تیرے سے کہاں جاؤں، ارے ہوں مہجور
 دیکھ، بیتاب مجھے، حسن سے مت ہو مغرور
 اے مہاں، دیکھ، نہ بہاؤے گا خدا کو یہ فرور
 کیا کروں ہائے، زمہن سخت فلک ھگا دور
 اُن کہ رخسارِ ترا رنگِ گل و نسریں داد
 صبر و آرام تواںد بہ منِ مسکین داد
 شہشہٴ دل کو مرے سنگِ ستم سے توڑا
 دل نے مہرے بھی مہاں، تمستی اب مکہ، موڑا
 جو کچھ ہم ساتھ کیا تم نے، نہیں یہ تھوڑا
 بس کرو بس کرو، زیادہ نہ کرو نکتوڑا
 مجھ سے بیتاب یہ ظالم، نہ کر اتنا زور
 مہن ترے واسطے ناموس و حیا سب چھوڑا
 مے دھم جائے دگر، دل بہ دل آراے دگر
 چشمِ خود فرہں کدم، زیرِ کفِ پائے دگر
 کھا کرے دل بھی، اِن آنکھوں نے مجھے خوار کیا
 آپ، اُس شوخ سے مل، مجھ کو گرفتار کیا
 خوار و رسوائے سرِ کوچہ و بازار کیا
 مفت مہن مجھ کو اِس اندوہ سے بھمار کیا
 کچھ نہ مہن نے ہی کیا جرم، نہ کچھ یار کیا
 خوب دیکھا، تو، اِن آنکھوں نے مجھے خوار کیا
 دیدی ! آخر بہ تو اُن چشمِ ستمگار چہ کرد
 ہا تو در دوستی، اُن نرگسِ عہار چہ کرد

دل اکیلے کو نہ اب غم نے کیا ہے پامال
 نہن بھی رو کے دکھائے ہیں مجھے ایسا حال
 ہائے دے ہائے، پڑے ایسی محبت پہ زوال
 صبر جل راکھ ہو، پامال ہوا دل... مآل
 دل آپر تلخ ہوئی زندگی اور مجھ پہ وبال
 جا کے اُس ساتھ کہوں گا جو میں سب اپنا احوال [۱]
 بس کہ رسوائے تو ام اے بتِ بھگانے میں
 شہرت از ہند بہ ایران برد افسانے میں
 کن کہا تجھ کو کہ یہ جور ہمیں ساتھ کرو
 دل ہمارے کو بہ تلک، اور کا دل ہاتھ کرو
 ہم سے ملے، روز کے اور غہر سستی، بات کرو
 ہم سے ہو تلخ، رقیبوں سے مدارات کرو
 غہر سے آنکھیاں ملانیں جو ستمگہات کرو
 بات اُس دن کی دیکھو، یاد وہ تم رات کرو
 کہ بہ کف زلفِ نژاد در نظرم روے تو بود
 شانے و آنہنہ دور از رخ و گھسوے تو بود
 حاسداں تم کو صدم، بھتہ کے بھکتے ہیں
 ہم سے دل توڑ تمہارے کو، وہ پھل لاتے ہیں
 کہا ہوا تم کو صدم، گرچہ وہی بھاتے ہیں
 آج کل جور تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
 پھر وہی ہم ہیں، وہی تم ہو، وہی راتیں ہیں
 وہی خطوں ہیں، وہی دل ہے، وہی باتیں ہیں

باز فردا ست کہ زلفِ تو بود در دستم

من ہماں عاشقِ مستانہ کہ بودم ' ہستم

اب جو تم نے ہمیں محکوم کیا فرما کر

نہن کر نکھی ' بھواں موز ' پلک چھٹکا کر

دو تھ چلتے ہو ' تلک بات میں بھی بل کھا کر

نہ سمجھتے ہو ' نہ کہتے ہو ہمیں سمجھا کر

کہ ز دل بردنِ من ' چشمِ تو مقصود چہ داشت

یا ز دل بردن و از راندنِ من سود چہ داشت

دین و دنیا کی طلبِ تیج ' تجھے مطلوب کیا

بلکہ عہار تمام آفت و آشوب کیا

ہم نے کہا کیا نہ ترے ہجر میں محسوب ! کیا

صبرِ ایوب کیا ' گریہِ یعقوب کیا

جب ترے نقشِ کوسوں ' دل میں ' خوش اسلوب کیا

منہم ادھر پھوڑ کے تم ' تھاتھ بہت خوب کیا

یاد آن شب کہ مرا نہز بہ بزمِ رہ بود

چشمِ محسوبِ تو از رازِ دلم آگہ بود

خدر ہے ' ہنس کے تم اب بات نہیں کرتے ہو

دل ہمارے کی مدارات نہیں کرتے ہو

مجھ پہ کچھ جرم ہے ' اثبات نہیں کرتے ہو

وہ جو تھا عہد ہمیں سات ' نہیں کرتے ہو

ظلم اپنے کا مکافات نہیں کرتے ہو

حیف اس دل کو سجن ' ہات نہیں کرتے ہو

اے کہ در دل ز نگہ تنخم تپہں کاشتے
 تو مگر عشق بہ رسوائی من داشتے
 یاد ہیں تم کو وہ دن، اب جو نہیں سلتے پند
 موندتے کُل، جو کوئی دیتا تھا میری سوزگند
 اب تو یہ دھتے ہو تم، زلف میں دل کر کے بند
 کیوں نہ اب غم کے انکاروں میں، کرو مجھ کو سپند
 کیونکہ بانہوں نہ کرو ہم ستمی، تم کر کے فلد
 پھر دو دل کو ہمارے، جو نہیں کرتے پسند
 دل زما گھری و در گوش کلمی گفتے غیر
 میروریم از در تو، ما بہ سلامت، تو بہ خیر
 یار بیکانے کا اب یار ہوا، یا قسمت
 ہم سے دل چھین کے اغیار ہوا یا قسمت
 وہ جو دلبر تھا دلازار ہوا یا قسمت
 غیر کے دل کا خریدار ہوا یا قسمت
 ہمکو تیج آورد کا دلدار ہوا یا قسمت
 یہ دل اُس زلف اُپر تار ہوا یا قسمت
 اُن کہ ہر نام من اول لبِ اُد باز شدہ است
 چوں سخن دامن شدہ با غیر سخن ساز شدہ است
 کیا بھلا ایسی ہی ہوتی... وفا دنیا میں
 تم سے اسود رکھے کوئی سو کیا دنیا میں
 جب سے دنیا تھی نہ تھی ایسی جفا دنیا میں
 کیا کوئی آورد دلازار نہ تھا دنیا میں

نے تھیں سے یہ چلی طرز و ادا دنیا میں
 جور کی تم نے رکھی نازہ بنا دنیا میں
 ہیچ معشوق بہ عشاق چلیں جور نہ کرد
 جور اگر کرد، چلیں جور بایں طرز نہ کرد
 درز کو دل کو بڑھا کر کے گھٹتا دیتے ہو
 کھینچ لیتے ہو، کبھی چھوڑ گوا دیتے ہو
 غوطہ دے کر کے زمین بھیچ گرا دیتے ہو
 آسمان پر بھی کبھی اور چڑھا دیتے ہو
 دل سے کڈی نہیں یہ، جسکو آزا دیتے ہو
 میں تونادال نہیں، جو مجھکو دغا دیتے ہو
 بعد ایں دل بہ ہوائے تو نہادن بیجااست
 رشتہ عہد و وفاے تو کشادن بیجااست
 سچ کہوں، آج تمہوں تجھ سے نہیں گھٹتا دل
 گرچہ ملکر ہے زبان، لہک نہیں بتتا دل
 تدرے اس جور سے مرکز بھی نہیں گھٹتا دل
 ایسی سو تھغ جناؤں سے نہیں گھٹتا دل
 تدرے بیداد سے اے شوخ نہیں..... دل
 لہکن اس پر بھی عجب ہے کہ نہیں چھٹتا دل
 دل عشاق نہ دانسی کہ بزرگِ دلِ تست
 دل اگر سلگ شود ہمچو نہ سلگِ دلِ تست
 اب تو پھر قہر کھا تم نے سجن ہائے دے ہائے
 گئے طوطے کی طرح پھر نہیں ہائے دے ہائے

چہو اپنے کو کہا تم نے کتھن ہائے دے ہائے
 ہاتھ سے تم نے دیا مفت یہ مَن ہائے دے ہائے
 ریفہ سنا تم نے مرا ایک بچن ہائے دے ہائے
 دیکھ پھر بھی سمجھ اے عہد شکن ہائے دے ہائے
 گرچہ دل خستہ شدم آؤ تو محبت باقی است
 ما ہمانہم و ہماں مہد مروت باقی است
 بسکہ تجھ زلف کے سونے میں پریشان ہوں گا
 توڑ زنا کو اب پھر سے مسلمان ہوں گا
 بت دوستی سے نکل تابعِ قرآن ہوں گا
 گرچہ ہے کفر ولے قائلِ ایمان ہوں گا
 لہک پھر مل کے عہد سب سے پشیمان ہوں گا
 سہس کو دکھ کے ترے پانو پہ قرباں ہوں گا
 کافرِ مذہبِ اربابِ مروت باشد
 ہرکہ جز کرے تو با کعبہ اش الفت باشد
 پھر وہی دن بھی خدا مجھ کو دکھاوے گا کبھی
 دس بھری باتوں تری مجھ کو سناوے گا کبھی
 تجھ لبان سے قدحِ عیش پلاوے گا کبھی
 جذبۂ عشق سے تجھ ایلچ بھی لاوے گا کبھی
 تھری زلفوں سے مری داد دلاوے گا کبھی
 پھر بھی مقصود مرا تجھ سے برآوے گا کبھی
 دلِ حشمتِ ہر زلف تو گر باز شود
 عقدۂ عاشقِ دیرینہ دگر باز شود

منضمس

اے واعظو بہت نہ کرو شور ، بس کرو
 اپنی کتاب باندھ کے تم طاق پر دھرو
 سب بندے ہوں خدا کے اسی بچے مل چلو
 بے پھینچ آج مہرمنوں سے مت اس گھڑی لڑو
 کل معرکے میں ہم بھی ہوں اور تم بھی واہ واہ
 ہم مست ہوں ازل کے ، نہیں آؤر کچھ خیال
 ہوویں گے کل کو ساقی کوثر سے ہم نہال
 کہتا ہوں بات سب سنی میں با زبانِ حال
 اے اہلِ خانقاہ کرو ختم قیل و قال
 کل معرکے میں ہم بھی ہوں اور تم بھی واہ واہ
 اے زاہدو یہ تم نہ کرو میکشوں کو نام
 دیکھیں تو کین کو ساقی کوثر پلائے جام
 کل کون ہوئے مقتدی اور کون ہو امام
 دنیا بجائے کون اِرم میں کرے مقام
 کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ
 نت شیعہ اور برہمن چہتے ہیں اُس کا نام
 پھر کہیں عبث یہ لڑتے ہیں مستوں سے بے لکام
 بھگلتھ اور بہشت کا ہے ہم کو نت پھام
 ہے شیخ کو سلام ، برہمن کو رام رام
 کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ
 اے زاہدانِ خشک تمہیں فقر سے اِہا
 تسبیح لے کے مت کرو مستوں کو بد دعا

ہم ہوں گے سہلے صاف، سدا سب سے پا صفا

..... کو جز خدا

کل معرکے تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

دونوں جہاں میں شاہ نجف کا ہوں میں گدا

گو مست ہوں، دوانہ ہوں، بھنخود ہوں، بھلوا

کہتا ہوں سب سے آنکھیں ملا، صاف و بر ملا

ہفتاد و دو طریق کے آگے ہو یہ صدا

کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

مہنگانے کی گلی کا جو حشمت شہید ہے

دندوں کا پیور، پھر مغاں کا مرید ہے

اے زاہدو وہ ہم کو تماشاے دید ہے

تم جس کو جشن کہتے ہو، وہ ہم کو عید ہے

کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

خلیق

مہر مستحسن خالق، مہر احسن خُلق کے چھوٹے بھائی اور

مہر حسن صاحبِ مثلوی سکرالہیان کے صاحبزادے تھے۔ چند شعر

آپ کے قریب قریب ہر تذکرے میں موجود ہیں۔ مگر جو غزل

ہم پیش کرتے ہیں اُس کا کوئی شعر کسی تذکرے میں نہیں۔ کلام

پیش کردہ سے پختگی خیال اور صفائی زبان کے ساتھ یہ بھی

معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءے مشق میں کہا گیا ہے، یا قدما کا تتبع

ہے، جیسا کہ دوسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس غزل میں جو

’لوچ‘ صفائی اور گھلاوت ہے وہ سوائے ’مور‘، ’سودا‘، ’قائم‘ اور ’مقدمین‘ شعرا کے متاخرین کے کلام میں ناپید ہے۔

لگائیں ہجر میں آنکھوں نے یارب اس قدر جھڑپیاں
 گویا نیساں نے بوسائی ہیں مروارید کی لڑیاں
 خلافت تختِ صحراے جلوں کی اُس کو لائق ہے
 کہ ملکِ عشق ہوں جس سانہ فوج وحشیاں گھڑیاں
 مرے کلرخ کے اعلیٰ لب پہ رُشیدم عرق کی دیکھو
 گویا یاقوتِ نہیں ہیں چلہاں الماس کی جڑیاں
 خلیقِ اس خوفِ معشر کو تو اچھے دل سے جانے دے
 قیامت اور کھا ہوگی، جو کچھ ہیں ہجر کی گھڑیاں

راجہ رام نرائن

راجہ رام نرائن قوم کے کھتری تھے، نواب شجاع الدولہ کے دیوان تھے، اور نہایت مشہور و معروف سیاسی مدبر تھے۔ تواریخِ اودھ میں برابر اُن کا ذکر آتا ہے۔ ادیب اور ادب نواز تھے۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اردو میں اُن کا کوئی شعر نظر سے نہیں گزرا۔ اور بعض نے ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ مگر بھاضِ موجودہ میں اُن کے نام سے دو شعر منسوب ہیں جو درج کیے جاتے ہیں۔

چکوریں ماہ کے، اور بلبلوں گلزار کے صدقہ
 بلا سے کوئی کسی کا ہو، میں اچھے یار کے صدقہ
 ہزاروں دل، ترے پازوں تلے، پستے ہیں اے ظالم
 کوئی تھوکر ادھر بھی، اے نبی رفتار کے صدقہ

رضا

نام مرزا محمد رضا ، لکھنؤ کے قدیم باشندے ، مرزا رفیع سودا کے شاگرد ، صاحبِ دیوان تھے ۔ مگر اب کلام کا پتا بھی نہیں ۔ ۹ شعر صاحب تذکرۂ خمتکائنات جاوید نے نقل کئے ہیں ۔ یا پانچ شعر اور ایک فزل مصحفی نے ۔ ان میں سے چار شعر باہم مشترک ہیں ۔ اور دو شعر تذکرۂ قدرت اللہ قاسم میں ہیں ۔ ان میں سے بھی ایک شعر خمتکائنات اور ایک شعر مصحفی کے یہاں موجود ہے ۔ باقی وہی چراغ سے چراغ جلتا چلا آیا ہے ۔ بھاض موجودہ سے جو کلام پوہن کھا جاتا ہے وہ کہیں نہیں ہے ۔

رات تو ہر طرح گزری مجھ کو روتے پھرتے

پر ہوا ہے کاتلا دن کا مجھے دشوار آج

دور سے جو دیکھ مجھ کو گالیاں دینے لگا

شاید آتا ہے کسی کی بزم سے سرشار آج

خوف اپنی جان کا شاید نہیں تجھ کو رضا

اُس سے جو کرتا ہے تو ہربات میں تکرار آج

دیکھو کھونکہ یار کی صورت	نہیں مجلس میں بار کی صورت
یار ظالم ہے ، دیکھو ، کیا ہو	دل اُٹھادوار کی صورت
عشق نے بسکہ دل کو داغ دیا	ہو گھا لالہ زار کی صورت
مرگئے ہم ، قفس ہی میں ، اے واے	پر نہ دیکھی بہار کی صورت
جی لگانے ہی دیکھ تو آکر	اپے اِس بھقرا کی صورت
خاک بھی میں ہوا ، پتہ دل میں ترے	بلندہ وہی ہے غبار کی صورت
اے مصور اِسی سے دل بہلے	کھینچ دے مجھ کو یار کی صورت
تو نے کھوں پی شرابِ عشقِ رضا	دیکھی آخر خمار کی صورت

جہاں کا سیر کیا ، باغ و بوستان دیکھا
 یہ ہم نے تجھ سے نہ کوئی گل ، اے جوان دیکھا
 تم نے کچھ قدر مری آہ نہ جانی افسوس
 قدر دانی سے کوئی بات نہ مانی افسوس
 داستان درد کا اپنے ، مہیں کہوں کس آگے
 کوئی سنتا نہیں ہے ، مہری کہانی افسوس
 دل اگر کہلے میں ہوتا تو یہ دکھ کیوں ہوتا
 ہے بغل ہی میں مرا دشمن جانی افسوس
 چشمِ تر ، ضعفِ بدن ، خشک لب و زردی رنگ
 یہ ملی دادِ محبت کی نشانی افسوس
 رحم آتا ہے رضا دیکھ ، ترا حال مجھے
 مفت برباد گئی تھری جوانی افسوس

تجھ سے اے جان ، جب جدا تھے ہم زندگی اپنی سے خفا تھے ہم
 اب تو ہوں مثلِ بلبِلِ نالں گاہ گل تھے ، کبھی صبا تھے ہم
 قتل کر ، نعش کو کیا تشہور اِس قدر لائقِ جفا تھے ہم
 اِس قدر بھی تو مت ہو بے گانہ کبھی تو تھرے آشنا تھے ہم
 تم کو معلوم اب ہوا ہے یہ ایک مدت سے مبتلا تھے ہم
 یہ گلہ اُس نے ہم کو قتل کیا اے رضا کتلے با وفا تھے ہم

قتل کس کا تجھ کو ہے منظور اے خونخوار آج
 کیوں پکڑتے ہانہ میں نکلے ہو تم تلوار آج
 کوئی اِنلا تو نہیں ہے کشتنی اِس شہر میں
 قتل کو کس کے سچا ہے چہرۂ کلدار آج

خوف ہے مجھ کو، کہیں طوفان نہ آئے شہر میں
 اس طرح اُمتے میں مہرے دیدہ خربار آج
 دیکھ، مہرے حال کو رو کر لگا کہلے طہیب
 جیوتا ہرگز نہیں بچلے گا، یہ بھار آج

رحم کر عشاق پر، مت چیرے گلزار سب
 ایک عالم قتل ہوگا، دیکھ، یہ خونخوار سب
 ایک دل کس کس سے بر آئے، ہزاروں آفتیں
 عشوہ، غمزہ، ناز، وضعِ دلبری، رفتار، سب
 مجھ کو یہ قدر ہے کہیں اس سب پہ خرد عاشق نہ ہو
 اُٹھنے میں، پھر تو مت دیکھو زہار سب [۱]
 دیکھ، طرہ چیرے گلزار پر ہم مر گئے
 اُٹھنے میں، پھر تو مت دیکھو زہار سب [۲]
 ہاتھ، میں تلوار ہے اور کبھی سرشار ہے
 کیا بنا کر آج نکلا ہے رضا وہ یار سب

دل کو گر سوز غم نے آب کیا، تم کو کیا، اپنا گھر خراب کیا
 شعلہ خوئی نے تیری اے بد مست ہاے مہرا جگر کیا کیا
 اس رضا پر جفا، ستم، بھداک
 جو کیا تو نے، برحساب کیا

گر نہ دیکھی ہو کسی نے نرگسِ خونخوار سرخ
 دیکھ، لے آکر تمہاری نرگسِ سرشار سرخ

جو مجھ سے ہلے کے بولے یار تو آج
ہر آئے دل کی مہرے آرزو آج

سودا

مرزا رفیع سودا کے حالات سے تذکرے مالا مال ہیں، اس لئے
اُن کو چھوڑ کر ہم سودا کے غیر مطبوعہ کلام کی طرف توجہ کرتے ہیں۔
اس بیاض میں سودا کا غیر مطبوعہ کلام بھی پایا جاتا ہے، مگر
ہجویات کا حصہ زیادہ ہے۔ پھر ہجویات میں مہذب اور غیر مہذب
شایستہ و نا شایستہ، سبھی قسم کی باتیں ہیں۔ بعض چیزوں
سے، جن کی اشاعت کی تہذیب اجازت نہیں دیتی، قطع نظر
کر کے ہم ایک سلام نقل کرتے ہیں جو سودا کے کسی مطبوعہ
کلمات میں موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قدیم قلمی
نسخے میں ہو۔

الصلوة والسلام اے فرو بہارِ مصطفیٰ	الصلوة والسلام اے گلزارِ مصطفیٰ
الصلوة والسلام اے نامدارِ لافتی	الصلوة والسلام اے متفزنِ علم لکن
الصلوة والسلام اے بادشاہِ اتقیا	الصلوة والسلام اے رہنماے عارفین
الصلوة والسلام اے مطلعِ شمس الضحیٰ	الصلوة والسلام اے اخترِ برجِ اسد
الصلوة والسلام اے واقفِ سرِ خدا	الصلوة والسلام اے کاشفِ آیتِ کلام (۱)
الصلوة والسلام اے صابرِ درد و بلا	الصلوة والسلام اے شاکرِ ظلم و ستم
الصلوة والسلام اے مومنوں کے پھشوا	الصلوة والسلام اے صاحبِ جن و ملک
الصلوة والسلام اے صاحبِ ارض و سما	الصلوة والسلام اے قاسمِ نار و بہشت
الصلوة والسلام اے شہ شہدِ کریلا	الصلوة والسلام اے غمگسارِ اہلِ بہت
الصلوة والسلام اے قاضیِ قدر و قضا	الصلوة والسلام اے مفتیِ شرعِ نہی

الصلوة والسلام اے گوہرِ کانِ کرم الصلوة والسلام اے دھیرِ راہِ ہدیہ

الصلوة والسلام اے لعلِ رخشانِ ستفا

الصلوة والسلام اے شائعِ روزِ جزا

سیف

مرزا سیف علی مرحوم کا تخلص تھا۔ یہ ایک وجہ اور خوشرو شخص تھے۔ طالبِ قلی خاں [۱] خواجہ سرا کے ندیموں اور مصاحبوں میں تھے۔ ان کا ایک مطلع تذکرۂ حکیم قدرت اللہ قاسم میں ملتا ہے۔
بہاض میں ایک پوری غزل موجود ہے۔ جو زبان اور آمد کے لحاظ سے بے مثل و الجواب ہے۔

کہا جو مہن نے، اُسے یہاں دلِ حزیں تو نہیں

تو ہنس کے مجھ سے یہ کہنے لگا، کہیں تو نہیں

بہرا ہے کہا ہی ستاروں سے چرخ نے دامن

ہمارے داغوں کا، دیکھو، یہ خوشہ چیں تو نہیں

حرم سے دیر کو اب ہم چلے ہیں اے زاہد

جمال یار کا موقف کچھ یہیں تو نہیں

صبا بتا، تو کہاں سے معطر آئی ہے

کہیں یہ بوے خوش زلفِ عذریں تو نہیں

اٹک اٹک کے عجب طرح سے وہ آتا ہے

اے سیف دیکھو، کہیں وقتِ واپس تو نہیں

شوق

حکیم مولوی قدوت اللہ شوق ساکن قصبہ موہی ضلع سنبھل مراد آباد -
عالم و فاضل صاحب دیوان و تذکرہ تھے - ان کا ایک شعر گلشنِ بے خار
میں اور دو شعر تذکرہٴ نساج میں نقل ہوئے ہیں - چنانچہ ایک شعر اُس
غزل کا بھی ہے جو ہم نے نقل کیا ہے - بیاضِ موجودہ میں اُن کی دو غزلیں
ملتی ہیں - دونوں غزلیں اُن کی پختہ مشقی کا پتہ دیتی ہیں -
سنہ ۱۲۲۱ ہجری تک زندہ تھے - تاریخِ انتقال معلوم نہیں ہو سکی -
لیکن یہ یقینی ہے کہ سنہ ۱۲۳۸ ہجری سے پھشتہ انتقال کو چکے تھے -

پھر عشقِ اختیار کہا ہم نے کہا کہا
آنکھوں کو اشکبار کہا ہم نے کہا کہا
اُٹے تھے جس گلی سے اٹھا کر کے اپنا بھیس
پھر اُس طرف گزار کہا ہم نے کہا کہا
وعدہٴ خلافوں سے پری ! اپنی ، تیں ہمیش
پامالِ انتظار کہا ہم نے کہا کہا
اُڑتی سنی تھی اُس کی زبانی کل ایک بات
کہوں اُس کو اشتہار کہا ہم نے کہا کہا
افشائے رازِ دل کی ہیں ساری خرابیاں
حالِ اپنا آشکار کہا ہم نے کہا کہا
وہ جامِ مے کہ جس کی نمنا میں مرچے
عبرت سے ناگوار کہا ہم نے کہا کہا
ہارِ دگر محبت و الفت کو ہر شوق
اپنے کلمے کا ہار کہا ہم نے کہا کہا

کہیں سنا ہا ہے تو اب اِنسا ستمگار مجھے
 آہ کرنے کی بھی طاقت نہیں اے یار مجھے
 دن کو آرام نہیں اور نہیں راتوں کو خواب
 زندگی ہجر سے تھرے ' ہوئی دشوار مجھے
 خواب میں باتوں کا کھٹکا میں سنا تھا شب کو
 شاید آیا تھا تو ہی کرنے کو بیدار مجھے
 بسکہ دن رات ترا دکھتا ہوں دل بھیج خہال
 گل بھی لگتا ہے سدا ' نظروں میں خونخوار مجھے
 جب کبھی آنکھ اُٹھا مجھے یہ نظر کرتا ہے
 قتل کرتی ہے ' تری نرکسِ بھمار مجھے
 حالتِ نزع کو پہنچا ہوں تری فرقت میں
 اب تو بے رحم دکھا اپلا تو دیدار مجھے
 بات کرنے کی ڈرا مجھے میں نہیں اب طاقت
 تھری دوری نے کہا صورتِ دیوار مجھے
 کامیاب آدر ہوں ' اور ہم دھیں محروم مدام
 زندگی ایسی تو پیارے ' نہیں درکار مجھے

عاشق

عاشقِ نعلیں کے متقدمین میں دو شاعر ہیں ' ایک مہدی علی
 خاں ' نواب علی مردان خاں کے نبھرے ' مگر اُن کی زبان بہت صاف ہے '
 اُس لیے کلامِ ذیل اُن کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا - البتہ علی اعظم
 خاں جو مرزا کھسٹا عشقِ نبھوڑ شاہ فرہاد ' معاصرِ مہر و سودا کے مرید تھے
 اور غالباً اُنہیں سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے ' اُن کا یہ کلام ہو سکتا ہے -

زبان میں وہی قدیم الفاظ اور وہی بندھن موجود ہے - تذکروں میں صرف دو تین شعر موجود ہیں - لیکن ہم اُن کا کافی کلام پڑھ کر رہے ہیں - نغم کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اپنے زمانے کے زبردست مشاق ہوں گے اور لوگ اُن کو صفِ اساتذہ میں جگہ دیتے ہوں گے -

یار تو مجھ سے ہوا ہے گا جدا جب سیتی
 خواب و آرام مجھ بھول گیا تب سیتی
 دردِ ہجران نے کہا مجھ کو نہایت بھمار
 داروے وصل عطا کر... شکر لب سیتی
 دل کی دو بات کہوں تجھ سے ارے او ظالم
 گر کہیں آوے مرے پاس کسی تھب سیتی
 اور سب تھری ادا مجھ کو لکھیں ہیں پھاری
 لیک بھانا نہیں یہ نازِ ترا سب سیتی
 جان میری، تو نکل قالب (؟) گھر سے اور دیکھ
 عاشقِ خستہ دل... در پہ کھڑا کب سیتی

یک بیک تم ہم سے چھوڑی آشنائی واہ وا
 تم کو یوں ہی چاہیے اے جان مہری واہ وا
 قتل کر یا گالیاں دے، سب طرح راضی ہوں ہم
 جو رضا ہووے تمہاری حق میں مہری واہ وا
 کُھب گئی دل میں ہمارے چہب تری اے جامہ زیب
 زور ہی دستی ہے تجھ کو نہک چولی واہ وا

ہوا ہوں اب میں بہت بیقرار عالم میں
 نہیں ہے کچھ مجھے اب اعتبار عالم میں
 کیے تھے دوست جو ہم نے ' ہوئے ہیں وہ دشمن
 رہوں نہ اب میں کبھی زیلہار عالم میں
 نہیں ہے کچھ مجھے پرواے حادثاتِ زمان
 کہا ہے مجھ کو زبس سنگسار عالم میں
 خدا تو کر ' مری مشکل کو حل ' کہ اب میرا
 نہیں رہا ہے کوئی یارِ فار عالم میں
 اتنی ہے یہ مرے دل میں اُسلگ اے عاشق
 کروں نہ اب میں کوئی دوستدار عالم میں

— — —

مدت ہے کہ بہرتے ہیں ترے عشق کے مارے
 ٹک رحم تو کر ' اِس دلِ شمعیں یہ بارے
 ہم ہو گئے بسمل تری اِس بانکی نگہ کے
 اک اور نگہ بھر کے کرو ' کام ہوں سارے
 اب لعل ترے ہیں گے گویا مصری کی ڈلیاں
 بُتِ ہند ہیں شرمندہ ترے لعل سے سارے
 ویرانہ ہوا خانۂ دل تھوڑے سبب سے
 خواہ آنا نہیں کچھ مجھے ' جز نام تمہارے
 اِس مارنے مہرے سے نہیں ہے تجھے کچھ سود
 فاحق تو قتل کرتا ہے اے یارِ ہمارے
 آ لگ تو مری چھائی سے اے کانپرے رحم
 یہ بات مری مان ' خدا واسطے پیارے

گزرے ہے شب و روز مجھے یاد میں تیری
 یک آن دکھا، اُن کے عاشقِ کدو پھارے
 دن رات مجھے تھرا ہی یہاں دھیان ہے ظالم
 یہ دل مرا تجھ عشق سے ویران ہے ظالم
 کیا خوب سچی ہے گی ترے سر پہ بسنتی
 سب ہند کے خواباں کا تو سلطان ہے ظالم
 لکھتا [۱] ہے گلے فہروں کے تو رو برو مہرے
 لِن بانوں سے سر پر مہرے سندان ہے ظالم
 جس وقت کہ پہلو سے مرے اُتھ کے چلے تو
 گویا کہ اُسی دم مجھے خفقان ہے ظالم
 کرتا ہے عیث مجھ کو خفا روز پھارے
 عاشقِ کوئی دن کا ترا مہمان ہے ظالم

لکھ لکھ خراب، مہں ہوا خطِ نجھ کو، پر صنم
 تو نے جواب کچھ نہ لکھا حیف کھا ستم

گردھی عشقِ مہں، مہں پھرنا ہوں مارا مارا
 دل شب و روز یہی کہتا ہے باز آ باز آ

اے صنم کرتے ہو کھوں مجھ پہ جفا سچ کہو
 کس کے کہنے سے ہوئے مجھ پہ خفا سچ کہو
 اب جو آتا نہیں تو پاس مرے اے دلبر
 کون سے پار سے اب جا کے ملا سچ کہو

شہر سے ملنا تجھے ، مجھ سے دکھائی کرنی
 کون سی کی ہے کی نقصہر ، ذرا سچ کہہو

عشق نہرے نے کہا مجھ کو نہایت پامال
 کچھ بھی تجھ دل میں ہے اے جانِ وفا سچ کہہو

میں جو بھمار ہوں اب درد و غم ہجراں سے
 کہوں نہیں کرتا ہے تو مہری دوا سچ کہہو

آہ مہری سے ہوئی نرم کمانِ افلاک
 تجھ میں بھی ہوگا اثر ، سلگدلا سچ کہہو

غہر غم غصے کے کچھ اور بھی پایا عاشق

عشقِ خوبانِ جہاں کر کے بھلا سچ کہہو

میں تو جانا تھا کہ کچھ ہوگی وفا تجھے، میں مہاں

لہک دیکھا تو نہوں تجھ میں سوا جور و جفا

ساقی ! شرابِ ناب ہو یوں چاہتا ہے دل

آر اور سہرِ مامتاب ہو ، یوں چاہتا ہے دل

اِس چاندنی و نورِ سراپا کے بیچ میں

معمشوقِ بے حجاب ہو یوں چاہتا ہے دل

اِس ابرِ نو بہار کے اندر بکام و عیش

تو بَر میں اور شراب ہو یوں چاہتا ہے دل

سب دوست آشنا سے قطع کر کے دوستی

تجھ عشق میں کباب ہو یوں چاہتا ہے دل

یہ عاشقِ نزار سرا وصل سے صنم

دن رات کامہاب ہو یوں چاہتا ہے دل

عشق

شاہ راکن الدین نام ، گھسیٹا عرف تھا اور شاہ فرہاد کے نواسے تھے ۔

دہلی کے قدیم باشندے تھے ، محلہ مغل پورے میں مکان تھا ۔ پھر مرشد آباد چلے گئے تھے اور وہیں عزت و حرمت سے بسر کرتے تھے اور آخر میں فقیر ہو گئے تھے ۔ صحنی نے اُن کا اچھا خاصا ذخیرہ کلام نقل کیا ہے اور تذکرہ واسم میں بھی دس گیارہ شعر نقل کیے ہیں ۔ ایک فزل بھاض میں ہے جو اُن دونوں تذکروں میں نہیں ہے ۔

فعلِ عشاق کا م ہے تہرا اور مسیحا بھی نام ہے تہرا
کوہکن سر کو کہوں نہ اب چورے شہریں شہریں کلام ہے تہرا
کب ہے واقف تو رات دن سے صدم زلف و رخ ، صبح و شام ہے تہرا
خال و خط سے نکل سکوں کھونکر زور ہے دانہ ، دام ہے تہرا
جان جب تجھ کو دوں تو فارغ ہوں سر مرے دھر ، یہ وام ہے تہرا
بلدگی عشق کی نہیں ملاحظہ

یہ درم یہ غلام ہے تہرا

فدوی

سید فضل علی نام تھا ، دہلی کے رہنے والے تھے ۔ مگر نہ معلوم

کن مجہوریوں سے ترک وطن کر کے غربت اختیار کی اور مرشد آباد میں جا رہے ۔ اُن کے کلام میں نہایت پختگی ہے ۔ اُن کا ایک شعر تذکرہ گلشنِ بہار میں ، اور پانچ شعر حکیم قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے میں اور ایک شعر انہیں میں کا نسخہ نے اپنے تذکرے میں دیا ہے ۔ ایک فزل جو بیاض موجودہ میں بھی ملتی ہے اُس کا مطلع حکیم صاحب نے بھی لکھا ہے ۔

مگر اِس پوری فزل کے علاوہ بھی اِس بیاض مہں اُن کا کافی کلام موجود ہے
جس کو ہم نقل کرتے ہیں۔

اب جو رکھتا ہے ہم کو بہلا کر
قول اپنا تو یاد، پہلا کہ۔
ہم تو قدوی مہں، کچھ بھی کر ظالم
اب کہاں جاؤں تیرے کھلا کر
وہی جالے ہے رنج و راحتِ عشق
دل مہں رکھتا ہے جو جراثیمِ عشق
تجہ سے گر پوچھ کوئی کیوں مارا
کہو جلاّد تو کہ بابتِ عشق
وصل مہں ہم نے یہ نہیں دیکھی
ہجر مہں ہے جو کچھ لطافتِ عشق
ہم کو تنزیب رنگِ صحرا ہے
قیس یہ دے کھا ہے، خلعتِ عشق
دل تو اُتھ ہے پر ہزار افسوس
چھون لی ہے فلک نے فرصتِ عشق
وَدّی کُل یہ کر رقم قدوی
تیرے ہر شعر مہں ہے نکبتِ عشق
اِس کو کچھ اُور مت سمجھنا تو
ہے سراسر یہ فہضِ حضرتِ عشق

اُرے دل تجھ کھا بلا ہو کھا کسے دیکھ تو مبتلا ہو کھا
مقابل ترے تیرے مڑاں کے ہے قہامت یہ دل مَن چلا ہو کھا

ہمیشہ سے وعدہ خلافی ہے اب حیا کا تجھ ارنلا (۶) ہو گیا
 مرا دل جو تو نے جلایا ستمگر تو اس میں کیا کچھ بھلا ہو گیا
 اب کہاں جائیں تیرے مائل ہو کچھ تو دل میں سمجھ کے قائل ہو
 قصہ کیوں مہری جان ! کھائے ہے میں نہ دیکھوں ' تو پاں کھائے ہے

حق نہ رکھے درد یارو ' یار کے نگین یار سے
 کوئی مرض مہلک نہیں ' دنیا میں اس آزاد سے

کوئی اس طرح کا یارِ طرحدار ہو نہ ہو
 پھر مجھ سا اور کوئی گرفتار ہو نہ ہو
 اپنا تو کام وعدوں میں تیرے ہی ہو چکا
 قائل اب ہانہ میں ترے تلوار ہو نہ ہو

کس پر پڑی تھی جا کے ' یہ کافر نگاہ آہ
 جائے سخن جو نکلے ہے اب ملہم سے آہ آہ
 قدوی اس عاشقی کا عجب کچھ خیال ہے
 کرتے ہیں قتل بات میں یاں بے گناہ آہ

رہیں کب تک ترے ملنے کے دم میں
 چلے اے یار ہم ' اب کوئی کم میں
 ہارئے یاں تک ترے کوچے میں پامال
 کہ اب طاقت نہیں اُٹھنے کی ہم میں

صحبت تری مدام ہو یوں چاہتا ہے دل
 تو پاس صبح و شام ہو یوں چاہتا ہے دل

سہر چمن ہو ' ابر ہو ' مہنا ہو ' سا قہا
 لہریز مے سے جام ہو یوں چاہتا ہے دل
 مر جائے بلا سے ' یہ مہدانِ عشق میں
 اس معرکے میں نام ہو یوں چاہتا ہے دل
 محفل میں تھری فہر نہ پاویں جگہ کہیں
 اپنا ہی اہتمام ہو یوں چاہتا ہے دل
 یہ عینِ آرزو ہے کہ فدوی اب آنکھوں میں
 اُس کا کہیں مقام ہو یوں چاہتا ہے دل

اسہر و بھکس... [۱] بھدل جو کچھ کہو ہم ہیں
 جفا و جور کے قابل جو کچھ کہو ہم ہیں
 خدا کے واسطے غہروں کا نام کہیں لو ہو
 تمہارے والد و مائل جو کچھ کہو ہم ہیں
 نگاہ و خلیجِ مژگاں و تہنِ ابرو کے
 شہید... [۲] کشتہ و بسمل جو کچھ کہو ہم ہیں

یار! قول و قرار تا بہ کجا
 مر گئے تھوڑے صبح و شام سے ہم
 شبِ ہجران میں آہ کی ' دیکھو
 چو کہ پھان گسل ہو دل ' اُس کا
 وہ تو پتھر ہے ' کب پسینہ ہے
 روئے زار زار تا بہ کجا

دل چہین کے ' پوچھو ہو ' کیا کس کے حوالے
 اچھے ہو مری جان ' خدا کام نہ قالے

دل رازِ تعشقی کو چھپاتا ہے ، بہلا ہے
 یہ بات ہے ایسی جو کوئی مُنہ سے نکالے
 بے وجہ نگاہوں کے برستے ہیں یہاں تھر
 بہتے نظر آتے ہیں مجھے خون کے نالے
 کیا پوچھ ہے ، قدوسی مرے سے بات تو اُس کی
 اللہ نہ قالے کسی بے رحم کے پالے
 بیوہ جو کل اک دستِ مبارک سے مہں چاہا
 کہلے لگا ، کیا ہاتھ نہیں تیرے ، اُٹھالے

جو مرا آزار ہی مطلوب تھا ایسے ملنے سے نہ ملنا خوب تھا
 بچ کئی ، ورنہ شبِ ہجر اں مہں جان ! زندگی کا کون سا اسلوب تھا
 شوق اُس کے دل کا ، گلی دے تو دے تجھ کو کیا ناصح ، مرا محبوب تھا
 رو برو آٹھنہ رو کے ، آٹھنہ ہم نے جو دیکھا تو حد محبوب تھا
 ابر کیا جانے مرے رونے کے نلہں قدوسی ، واقف اُس سے کچھ یعقوب تھا

آج بے اختیار ہے کا دل بے طرح بے قرار ہے کا دل

گرچہ شبِ چہار دہم کا یہ چاند ہے
 تھری ٹھیٹے حسن کے آئے یہ ملحد ہے

دل نہ بھول اُس کی آشنائی پر جو کمر باندھے بے وفائی پر
 جان یہ جائے یار ہے عاشق کوئی چوکے ہے اپنی آئی پر
 مہکشیوں کا خدا نہیں ؟ زاہد غرہ کرتا ہے پارستانی پر
 ہاتھ لگتی ہے یہ بہار کہیں ہے جو تیرے کفِ حلائی پر
 ان نلن تھل ہی نہ تھا کوپا ایسا آوے ہے تو رکھائی پر

دوستی اپنی کہوں چھپائی ہے یہ تو معلوم ہے خدائی پسر
 فدوی افسوس آوے ہے دم دم
 آہ و نالے کسی نارسائی پر

دیکھا نہ پھر چمن کا کبھی 'لالہ زار حیف
 قہرِ قنس میں مرگلی بلبل' ہزار حیف
 کیا جانے کیا کریگی جگر کی تپیں ہمیں
 نکلا نہ ایک دن بھی یہ دل سے بخار حیف
 جس اہلِ درد نے مرا احوالِ دل بسنا
 وہ ملہ سے بول اُٹھا وہیں بے اختیار حیف
 اُس کو تو کچھ خبر نہیں مطلق... کیا ہوا
 رویا میں ساری رات 'عبث زار زار حیف
 رنجہدہ مجھ سے ایسا ہوا فدوی وہ کہ پھر
 آیا نہ مہرے پاس کبھی ایک بار حیف

جب مرے گھر تو آن نکلے ہے جی کا ارمان جان ! نکلے ہے
 گھر سے کب بد گمان نکلے ہے گاہ بے گاہ آن نکلے ہے
 میرے ہی دل جلانے کو تھری شمع ساں یہ زبان نکلے ہے
 آہم جس کو دوست سمجھے ہیں وہی دشمن ندان نکلے ہے
 خمِ ابرو کا تھرے شہرے سن آسمان پر گمان نکلے ہے
 جب میں کہتا ہوں کچھ 'بھی اُس کی
 فدوی ملہ سے ہر آن نکلے ہے

فیض

مہر فیض علی نام ، فیض نخلص ، مہر محمد تقی مہر کے صاحبزادے تھے ۔ شعر و سخن کا ذوق بطورِ روئے پایا تھا ، بلکہ مصحفی کے تذکرے میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ باپ ہی کی طرح عجب و غرور رکھتے تھے ۔ مہر صاحب نے ایک کتاب ” فیض مہر “ انہیں کے نام پر تالیف کی تھی ۔ مصحفی نے ان کی تین فزلیں نقل کی ہیں ۔ تذکرۂ قدوت میں سات شعر ہیں ۔ ہم چار شعر بالکل نئے نقل کرتے ہیں ۔

رات اُس کے آگے اپنا دکھ ، جو میں رونے لگا
گاہاں دینے لگا ، پر جی میں خوہں ہونے لگا

تھا کس کے دل کو کشمکشِ عشق کا دماغ
یارب بُرا ہو دیدۂ خانہ خراب کا
یارو خدا کے واسطے کوئی کہدے یار سے
پہنچی ہے لب پہ ، جان مری انتظار سے
تجہ بن مجھ تو پتے ہی گزرے ہے رات دن
جانا رہا ہے صبر ، دلِ بے قرار سے

قدر

نام معلوم نہیں ، محمد شاہ بادشاہ کے معاصر تھے ۔ رندانہ وضع رکھتے تھے ، بلکہ مہر تقی مرحوم نے تو اپنے تذکرے میں یہاں تک لکھا ہے کہ قیدِ مذہب و ملت سے آزاد تھے ۔ مہر تقی ” مہر “ ، فتح علی خان حسینی اور لچھمی نرائن شفیق نے اُن کا ایک شعر اور مہر حسن نے اپنے تذکرے میں دو شعر نقل کیے ہیں ۔ مگر ہم بھاض سے پوری ایک منزل نقل کرتے ہیں ۔

عبت اے بلبلِ نالں تو توبہ زانی ھے
 خزاں گزرتی ھے ، دم لے ، بہار آئی ھے
 اور ایک ہم ہمیں کہ فرقت میں شمعِ رو کی اگن
 مجھے یہ سر سستی لے ، پانو تک جلائی ھے
 گیا وہ راحتِ جاں ، جب سے ، میری نظروں سے
 نہ چین دن کو ہا ، نے شب کو نیند آتی ھے
 بغیر تیرے اے ساقی اُمّدتؑ یہ غم کی کہتا
 مجھے جلائی ھے ، خونِ جگر پلائی ھے
 الہی فضل تو دکھو کہ آج قاتل پاس
 قضا قدر کے نہیں ، کھینچ کے لے جاتی ھے

قرین

نام معلوم نہیں ، مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے ۔ کشمیری الاصل
 تھے ۔ میر حسن نے اپنے گھر کے مشاعرے میں ایک مرتبہ ان کو دیکھا تھا ۔
 چنانچہ تذکرے میں اس کا ذکر کیا ہے ، اور ان کے تین شعر بھی نقل کیے ہیں ۔
 اُس وقت یہ نو مشق تھے ۔ ان تین شعروں میں سے ایک شعر تذکرۂ سماع میں
 بھی درج ہے ۔ بھاضی موجودہ میں ان کے بہت سے اشعار ملتے ہیں ۔
 ان کے دیکھنے سے ان کی مشق کا پتہ چلتا ہے ۔

نہ تھا گر داجری سے تجھ کو ظالم مدعاؑ اننا
 عبت پھر کیوں دلِ عشاقی کو مائل کیا اننا

تو پوچھ پوچھ کے ناصح نہ کر خفا ہم کو
 بُرے کی جان کو روئے ہیں ، مت ستا ہم کو

کبھی پوچھا نہ مہاں ' تم نے گرفتار کا حال
 اِس قدر ہاے ' بھلایا ہے دلِ زار کا حال
 اشکِ خوئی سے بہا ' بالِ کہوتر کی طرح
 کہا ہے لازم کہ لکھوں ایسے گرفتار کا حال

مجھ کو کسی ہوس کی ' جہاں مہں ہوس نہیں
 ایک اُس کا دیکھنا ' سو وہاں دسترس نہیں
 ناصح تو آہ و نالہ سے کرتا ہے مجھ کو منع
 مہں کہا کروں کہ اِس مہں مرا کچھ بھی بس نہیں

کہا کہیں یارو ' حقیقت اُس بتِ مہار کی
 لے گیا ہے کس طرح دل ' کر کے بانہں پیار کی
 مت سنا اے شمع ' باتیں تو مہوں اقرا کی
 ہم کسو کی بات نہیں سنئے مگر دلداد کی
 دیکھ کر یہ دردِ بے درماں لگا کھلے طبیب
 موت ہی بہتر ہے یارو ' اب تو اِس بھمار کی
 آگے ہی ہم نہم جاں مہں ' غم سے تھرے اے مہاں
 پس تو کہا دہشت دکھانا ہے مہوں تلوار کی
 کھونکہ جاکر اُس ستمگر سے کہوں مہوں حالِ دل
 مجھ کو اُس کے سامنے طاقت نہیں گفتار کی
 سامنے مہرے تو اے ابر ' اِس قدر مت لاف کر
 کیا جھڑی دیکھی نہیں ' اِس دیدۂ خونہار کی

بہر نظر دیکھا جسے ' وہ مسرگیا پارو وہیں
 کیا ننگہ ظالم ہے دیکھو قاتلِ خونخوار کی
 ہوں قریں کے دل میں لاکھوں داغ تھرے عشق کے
 تک تو کر لے سہر تو اب ' سہر اس گلزار کی

مرزا جیو

مرزا ' قدما میں دو تہن آدمیوں کا تخلص تھا - مگر مرزا جیو کسی
 تذکرے میں نہیں مل سکا - ممکن ہے کہ اہلِ تذکرہ نے صرف مرزا لکھا ہو -
 بہر حال مہرے نزدیک اگر یہ فضلیں ہو سکتی ہوں تو مرزا صادق
 علی خاں مرحوم دہلوی شاکرِ مرزا رفیع سودا کی ' جن کے تہن شعر
 تذکرہ حکیم قدرت اللہ قاسم میں درج ہوں اور دو شعر تذکرہ نساج میں
 ہوں - زبان صاف و شیریں ' کلام میں زور اور روانی سبھی کچھ موجود ہے -
 دو فضلوں کے دو دو شعر اور ایک مکمل فزل بہاض موجودہ سے دستہاب
 ہو سکی ' جو درج ہے -

مجھ کو پاروں نے ' بد و نہک ' کہا کیا کیا کچھ
 دیکھ تو ' دکھ تری خاطر ' میں سہا کیا کیا کچھ
 سافر و بادے و دامانِ گل و دستِ نکار
 ہاتھ سے مہرے ' بہ یک بار گیا کیا کیا کچھ
 نشہ کے بھیج میں تھا ' یہ مجھے معلوم نہیں
 رات مجھ سے تری خدمت میں ہوا کیا کیا کچھ
 اب تو مفلس ہوں ' ازیں ہمیش غم و درد و الم
 دولتِ عشق سے ' ہم پاس بھی تھا کیا کیا کچھ

دلعا پھرتا ہے مرا کاسے سر خاک کے بیچ
 دیکھئے ' ہے مرے طالع میں لکھا کیا کیا کچھ
 دیدۂ فرق سے تک دیکھ ' کہ ایک اک پل میں
 رنگ بدلے ہے ' زمانے کی ہوا کیا کیا کچھ
 یاں تو جو ہم پہ ہوا ' سو تو سبھوں نے دیکھا
 دیکھئے اور ابھی ہو ' روز جزا کیا کیا کچھ
 کان دھر کر تو زرا مرزا جیو اک بار تو سن
 آئے ہے دل کے دھڑکنے کی صدا کیا کیا کچھ

لہجے ہی بوسہ ہو گئے بھزار کس لہجے
 تم کو کیا تھا اور بھلا ' یار کس لہجے
مرزا جیو اب تو یار تجھے پوچھتے نہیں
 جانا ہے دور دور تو ہر بار کس لہجے

تھا صلم دیر میں ' اب دیر ہوا بہت اللہ
 کفر و اسلام میں کیا بھٹس ہے اللہ اللہ
 ہم نہ کچھ دیر سمجھتے تھے ' نہ کچھ بہت اللہ
 طالبِ جلوۂ معشوق ہیں اللہ اللہ

مقتول

مرزا ابراہیم بیگ نام ' صفاہانی الاصل تھے ' مگر بزرگ ترکِ وطن
 کو کے دلی میں آ رہے تھے اور شامی دفتروں میں منشی ٹھہری کے عہدوں پر
 ممتاز تھے - خود مقتول بھی نثر و انشا میں کافی ماهر تھے او

اپنے زمانے کے بڑے نقادوں میں تھے - مصطفیٰ کے شاگرد تھے - مصطفیٰ کے تذکرے کی تصنیف کے وقت ان کی عمر تھیں برس کی تھی - اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے [۱] - بیاض موجودہ میں ایک فزل موجود ہے جس کے چار شعر مصطفیٰ نے بھی اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں ، لیکن یہ دو شعر اُن کے یہاں نہیں ہیں -

تشبیہ کھونکہ دوں لب شیریں یار سے

ہرگز مناسبت نہیں قلند و نبات کو

دیوان مرا نہ پہنچے اگر دوستاں تلک

تعویذ کر رکھیں وہ مری غزلیات کو

مصطفیٰ نے یہ مقطع لکھا ہے :-

مقتول مصطفیٰ سے ہوا ہے مجھے یہ ، لبض

حق دیرگاہ ، جگ میں رکھے اُس کی ذات کو

لیکن بیاض میں اس کی جگہ یہ مقطع ہے :-

مقتول مرض حال کر اپنا علی ستمی

کر دیں گے حل ، وہ دم میں ، تری مشکلات کو

میر تقی میر

مہر کی سوانح عصری لکھنا یا اُن کے کلام پر تبصرہ کرنا اس واسطے

منظور نہیں کہ یہ چیز کم و بیش ہر تذکرے میں مل سکتی ہے - یہاں

ہم صرف دو غزلیں اور ایک ترجیع بلد پیش کرنا چاہتے ہیں ، جو غیر

مطبوعہ ہیں - کلکتے کے نسخے نورت ولیم کے چھپے ہوئے یا نولکشوری نسخے

ہی میں نہیں ، بلکہ اکثر قلمی نسخوں میں بھی یہ چیز موجود نہیں ہے -

ترجیع بلد کے چند شعر ضرور مطبوعہ ہیں مگر دیکھنے سے پتا چلتا ہے

[۱] تقریباً سنہ ۱۱۷۰ھ میں - تذکرہ مصطفیٰ سنہ ۱۲۰۱ھ سے پہلے شروع ہوا - اُس

وقت ان کی عمر ۳۰ سے متجاوز تھی - (اشارہ) -

دلعا پھرتا ہے مرا کاسے سر خاک کے بیچ
 دیکھیے ' ہے مرے طالع میں لکھا کیا کیا کچھ
 دیدہ فرق سے تک دیکھ ' کہ ایک اک پل میں
 رنگ بدلے ہے ' زمانے کی ہوا کیا کیا کچھ
 پیاں تو جو ہم پہ ہوا ' سو تو سبھوں نے دیکھا
 دیکھیے اور ابھی ہو ' روز جزا کیا کیا کچھ
 کان دھر کر تو زرا ' مرزا جیو اک بار تو سن
 آئے ہے دل کے دھوکے کی صدا کیا کیا کچھ

لیجئے ہی بوسہ ہو گئے بھزار کس لئے
 تم کو کیا تھا اور بھلا ' یار کس لئے
 مرزا جیو اب تو یار تجھے پوچھتے نہیں
 جانا ہے دور دور تو ہر بار کس لئے

تھا صلم دیر میں ' اب دیر ہوا بہت اللہ
 کفر و اسلام میں کیا بھوس ہے اللہ اللہ
 ہم نہ کچھ دیر سمجھتے تھے ' نہ کچھ بہت اللہ
 طالبِ جلوۂ معشوق ہیں اللہ اللہ

مقتول

مرزا ابراہیم بیگ نام ' صفاہانی الاصل تھے ' مگر بزرگ ترکِ وطن
 کر کے دلی میں آ رہے تھے اور شاہی دفعتروں میں منشی کھدی کے عہدوں پر
 ممتاز تھے - خود مقتول بھی نثر و انشا میں کافی ماہر تھے اور

اپنے زمانے کے بڑے نقادوں میں تھے - مصحفی کے شاگرد تھے - مصحفی کے تذکرے کی تصنیف کے وقت ان کی عمر تیس برس کی تھی - اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے [۱] - بیاض موجودہ میں ایک فزل موجود ہے جس کے چار شعر مصحفی نے بھی اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں ، لیکن یہ دو شعر اُن کے یہاں نہیں ہیں -

تشیہ کھونکہ دوں لب شیریں یار سے

ہرگز مناسبت نہیں قند و نبات کو

دیواں مرا نہ پہنچے اگر دوستاں تلک

تعویذ کر رکھیں وہ مری غزلواں کو

مصحفی نے یہ مقطع لکھا ہے :-

مقتول مصحفی سے ہوا ہے مجھے یہ لبض

حق دیرگاہ جگ میں دکھے اُس کی ذات کو

لیکن بیاض میں اس کی جگہ یہ مقطع ہے :-

مقتول مرضِ حال کر اپنا علی ستمی

کر دیں گے حل وہ دم میں تری مشکلات کو

میر تقی میر

میر کی سوانح عصری لکھنا یا اُن کے کلام پر تبصرہ کرنا اس واسطے

منظور نہیں کہ یہ چیز کم و بیش ہر تذکرے میں مل سکتی ہے - یہاں

ہم صرف دو غزلیں اور ایک ترجیعِ بلد پیش کرنا چاہتے ہیں ، جو غیر

مطبوعہ ہیں - کلکتے کے نسخے فورت ولیم کے چھپے ہوئے یا نولکشوری نسخے

ہی میں نہیں ، بلکہ اکثر قلمی نسخوں میں بھی یہ چیز موجود نہیں ہے -

ترجیعِ بلد کے چلند شعر ضرور مطبوعہ میں مگر دیکھنے سے پتا چلتا ہے

[۱] تقریباً سنہ ۱۱۷۰ھ میں - تذکرۃ مصحفی سنہ ۱۲۰۱ھ سے پہلے شرم ہوا - اُس

وقت اس کی عمر ۳۰ سے متجاوز تھی - (اشارہ) -

کہ اتنی مکمل چیز کستور نا تمام حالت میں طبع ہوئی ہے - بہر حال ذیل میں اول غزلوں اور بعد کو ترجیحِ بلد پیش کیا جاتا ہے - مہرے پاس ایک قدیم بھاف میں یہ چیزیں موجود ہیں اور ایک بہت قدیم نسختہ میں دیکھ کر میں نے اطمینان بھی کر لیا ہے کہ یہ کلام میر تقی میر ہی کا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے -

غزلیات

(۱)

گِردِ سر پہرے کرتے پہروں پاس
سو تو ہم لوگ اُس کے اُس نہ پاس
خط پہ خط بھیجتا تھا لکھ-واکر
جب تلک پار تھا نہ حرفِ شناس
دل نہ باہم ملے تو ہجرِ دل ہے
ہم وہ رہتے ہیں کہ پاس ہی پاس
مرہی و دل میں رہے مگر برسوں
وہم ہے پر کہیں ' کہیں ہے قیاس
ہے چلا جب سے وہ پریشاں ربط
جمع اک دم رہے نہ مہرے حواس
نا اُمیدی بھی حدّ رکھتی ہے
جیتا [۱] کب تک رہے گا کوئی ہراس
جز خدا ہم کسی سے کرتے نہیں
گھر سارا وہاں ' جہاں نہ ہراس
میں تو حیرانِ کار ہوں بے-ہوش
کہونکہ نکلے گی مہرے دل کی بھراس

مہرِ وحشی کا دل ہے بے طاقت
چلتا پھرنا ہے 'مہرِ آداس آداس

وہ مہر بھر دیکھتے سادگن کو
یہ جھلے نہیں دیتے دل دادگن کو
خبر قاصدوں کو نہیں ایللی شاید
بہت دور بھجھا 'فرستادگن کو
عجب سادگن مہن ہے عشقوں کی خوبی
نہ ہو عجب کہوں پرہمن زادگن کو
نہال اور سرو اُس کے حیراں کھڑے ہیں
کہا پائے گھر اُن نے آزادگن کو
وہ زیرِ دیوار ہم مہر برسوں
نہ پوچھا کبھی 'خاک افتادگن کو

ترجمہ بلند در منقبت

قابلِ سجدہ ہے علی کا در	بابِ تعظیم ہے علی کا گھر
ہے علی ہی امامِ موجودات	ہے علی افتخارِ نوعِ بشر
فرہی رہے ہرہی ہونہیں سکتا	منزلت ہے علی کی بالاتر
ملہ لطف و مظهرِ احسان	مصدرِ صد ہزار فضل و ہنر
تھا پر آشوب جن کے شور سے دھر	کر دیہ خاکوں میں اُنہیں کے سر
قدرت اُس کی خدا کی قدرت ہے	زور اچنبھا 'عجب زور آور
اعتقاد اپنے کو چھپایا ہے	یہ جو کہتے ہیں پاسِ ظاہر کر

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ھے علیٰ جملہ عزّت و اعزاز
 ہم شریکِ محمدؐ عربی
 خاکِ دروازہٗ علیؑ رہے
 رو علی کی طرف کور کہ اس میں
 ہو سکے تو علی پرستی کر
 ھے علی وہ کہ چرخ و مہر
 منحصرِ یادِ علیؑ ہیں جو اُن کو
 ھے علی سے علی طلبِ شب و روز
 قبلہ کعبہ خدا رسول علیؑ

جان بھی اپنی ھے علی کی نہا
 حرمتِ کعبہ، آبروے حجاز
 ہوویں، یادِ جو طالعِ ناساز
 درِ فردوسِ منہ، یہ ہوگا باز
 تو ہو اسلامیوں میں تو ممتاز
 اُس کی قدرتِ پے سب کریں ہیں ناز
 نے سرِ سجدة، نے دماغِ نماز
 دوستی کشتگانِ قلب گداز
 گفتگو شوق کی بہت ھے دراز

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ھے علی جانشینِ پیغمبر کا
 زورِ بازو سے اُس کے کھا کھے
 کر کھا کم، بڑے بڑوں کے حواس
 جذبِ خورشید کس طرح سے کیا
 سر کشانِ جہاں نے جہازے کان
 تھغ اُس کی تھی برقی ابرِ بہار
 بارہی ابرِ لطف سے اُس کے
 کیا ہمارا شعور جو سمجھیں
 عقلِ کل پر بھی، کرنا مشکل ھے

زیبِ مسجد ھے، حسنِ منبر کا
 ھے زباں زد، فسانہ خیر کا
 چھرنا، کودکی میں، اُذر کا
 وقت کم تھا نمازِ دیگر کا
 سن کے احوالِ عمر و ہنتر کا
 کت کھا جس سے رنگ اکثر کا
 دفع کیا ہو، غبارِ دل پر کا
 مرتبہ اُس سبھوں سے برتر کا
 فرق، ظاہر سے ایسے مظهر کا

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ذاتِ پاک اُس کی ہے، خدا کی ذات جمع واجب کے، اُس میں سب ہیں صفات
علم و قدرت نہ بہایتِ مذکور دمزدن یہ، نہ جائے حلم و ثبات
وہ نہ ہوتا سبب، تو پھر کیا تھا کھسے تم ہم، کہاں کی موجودات
نہ تو دس عقل و نہ فلک ہوتے نہ ستارے نمود کرتے سات
حال روشن، نہ روز کا ہوتا دھتی، تاریکیِ عدم سے، رات
اُس کے مَقَدَم سے نور ہے، ورنہ سوچتا کس کو، ہاتھ سے پھر ہات
وہ مَقَدَم سبھوں کا، وہ سب کچھ بھی کہنے کی ایک ہے کی بات

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے مُسَبَّب کہیں، کہیں ہے سبب ہے وہی، لطفِ بے نہایت آب
ہے علی قابلِ پرستودن ہے علی مظہرِ ہزار عجب
عشق ہے، ہم جولاہتے ہیں یوں نام ورنہ سجدہ بھی پاں ہے، ترکِ ادب
دمِ الطاف، سبز روے زمیں جگرِ چرخ چاک، وقتِ غضب
دب یکبارگی لہے دشمن دب کیا تو نے، جس گھڑی مرکب
تو بتا پائے، خاکِ مہداں پر استخوانِ مزار کا مطلب
بارہا اے سوارِ شائستہ ابلقِ چرخ تجھ سے نکلا دب
تو ہے بلند، تو اے مرے معبود پر خدا کے سے ہیں، ترے سب تہب
ہے تغلن کے طور پر، یہ شعر آشنا اپنے لب سے، روز و شب

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ھے علی حامی و مقومِ دین ھے علی پھسوائے اہلِ یقین
 ھے علی برکزیٰ دہ عالم ھے علی اشرفِ زماں و زمیں
 اُس کی ہمت سے اس کُستال میں جھسے شبنم پڑے ہیں درِ ثمنوں
 اُس کی جرأت سے قشعر پیرا [۱] ھے اُن کو جو ہیں گے شیرِ ہوشہ کہیں
 خوبی اُن کی کہاں تلک کہہ خوب جانیں جسے رسولِ امیں
 اللہ اللہ دے تھری عزت و قدر مجلسِ انبیا کا صدر نشیں
 چہتے چہتے ہمارے قلب پر اب نام اُس کا ھے جھسے نقشِ نگین
 کبریا اُس کی ھے وراے کھاس وہم اپنا کھا کہیں سے کہیں
 ما نو یہ بات اُس کی قدرت سے نہیں بالقوہ آدمی کا نہیں (؟)

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

سجدہ کرنے کے ھے علی قابل قبلہ ایسا ھے اُس طرفِ مائل
 مرگ ھے مصلحت سے دشمن کو بے ولا اُس کے زہست کھا حاصل
 تیری ہمت قبول یہ نہ کرے کہ مکروڑ ہلے لبِ مسائل
 اصل مطلب کی دوستی تھری راہِ مطلوب کو ھے یہ واصل
 دستِ بخشش، ستابِ بارندہ کفِ ہمت معصوم بے ساحل
 سہر کر مجمعِ کمال تجھے دیکھ کر تھری قدرتِ کامل
 طفل [۲] بڑا و پیر، سارے مُتر عقل و ادراک و فہم، سب قائل
 یہ عقودہ نہیں ھے اپنا ہی کہتے ہیں سارے بالغ و عاقل

ہم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے وہی سایہ گسترِ دو جہاں دیوے خورشیدِ حشر سے وہ اماں
صورتِ ظاہرِ علی پہ نہ جا ہے علی، خلوتیؔ رازِ نہاں
وہ علی کی ہے ذاتِ پاک، جسے چہتے دھتے ہیں، اہلِ عالم جاں

— — —
اس کے بعد اس بلند کے چھ شعر، اور چار بلند، نسخۂ مطبوعۂ فورٹ
ولیم کلاکتہ اور مطبوعۂ کشوری میں موجود ہیں۔ لہذا اُن کو
نہیں لکھا گیا۔

فقہی

افسوس کہ باوجود تلاشِ اِن کا حال تذکروں سے معلوم نہ ہو سکا۔
مگر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت پختہ مشق اور خوشگو تھے۔
بہاضِ موجودہ سے اِن کی صرف ایک غزل دستیاب ہوئی۔ اندازِ کلام
مصطفیٰ و انشا کے زمانے کا ہے۔

بے عید ہے یہ سخن ساقی، ترے احسانِ حالی سے
کہ ہم پتکا کریں سرِ اس طرح، میناے خالی سے
قدم کس گلبدن نے رکھا ہے دامنِ مسند پر
کہ ہوئے ناز آتی ہے چلی، ہر نقہیِ قالی سے
عجب کہا، رشتہ الفت کو قمری سرو کے توڑے
چمن میں آج آتا ہے وہ، ایسی سچ نرالی سے
جو مرنے میں، تو کاہے کو اُٹھاتا فاز، مرہم کا
ہے اِن زخموں کا شکوہ، تہری ندیغِ پرتگالی سے
نقی اُس کے جھوک کے بولنے سے، مت ہو دل خستہ
کہ اُس کی خو، یہی اگر پڑی ہے، خوردِ سالی سے

واحد

مہر جعفر اللہ نام تھا ، واحد تخلص ، سید تھے - غالباً دہلوی تھے
اور اپنے سلسلہ معاش کی وجہ سے حیدرآباد میں رہتے تھے - اچھمی نرائن
شفیق کے خاص دوستوں میں تھے - نہایت خوشگو اور مشاق تھے -
تذکرۃ لچھمی نرائن شفیق میں چار شعر اُن کے نقل کیے ہیں - بیاض
موجودہ میں اُن کی دو غزلیں موجود ہیں - جو نہایت صاف و شستہ
ہیں اور مشاقی و پر گوئی کا پتہ دیتی ہیں -

عشق میں راحت ہو یا آزاد ، ہونا ہو سو ہو
کیا کریں اب ہم بھی ہیں ناچار ، ہونا ہو سو ہو
عشق کے دریا میں ڈوبے ہم تو یارو ، جان بوجھ،
موج ہو یا غرق ہو یا پار ہونا ہو سو ہو
جس کو جی چاہے ، پھر اُس کو جو بلے ، تو خوب دیکھ
اِس میں کر رسوائی ہو اور خوار ہونا ہو سو ہو
کر گریباں چاک واحد ، چل بہاں کی طرف
دیکھ، لے یہ بھی مزا اک بار ، ہونا ہو سو ہو

دل خفا ہے شہر سے ، سیر بہاں کیجیے
مُو پریشاں کیجیے ، گھسو پریشانی کیجیے
دل تو اپنا دے چکے ، اب جان بھی کیجیے نثار
جی میں آنا ہے کہ خرابیاں کو پشیمان کیجیے
دل کی آتش ، اشک کے پانی سے ، بجھ جائے اگر
روئے واں تک ، خدا کی سوں ، کہ طوفان کیجیے

واقف

شاہ واقف شاہ جہاں آبادِ قدیم کے باشندے تھے - مہر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں ان کا کلام نہایت صاف ہوتا تھا - رفتہ رفتہ جب ان کی قوتِ فکر نے ترقی کی تو طبعیتِ دقت پسندی کی طرف مائل ہو گئی اور اب ان کا کلام ہم لوگوں کی سمجھ میں مشکل سے آتا ہے - ان کا رنگ ناصر علی اور جلال اسیر کے مشابہ ہے - واقف آخر میں فیض آباد چلے گئے تھے - نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں نقش نویسی کی نہمت میں گرفتار ہوئے تو ایک فزل حسبِ حال کہی جس کا ایک مطلع یہ ہے -

دور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پہرے میں
بے خطا پہرے میں اور اہلِ خطا پہرے میں

مہر حسن نے جس فزل کا مطلع لکھا ہے ، اسی فزل کے تین شعر یہ اردو بیاض میں موجود ہیں -

کہا خطا دل کی ، جو زلفوں نے کہا پہرے میں
شب کو مت پھر تو اکیلا کہ ترا پہرے میں
مردمِ چشم نے یلکوں کی چھڑا [۱] سلگیڑوں
ایک عالم کو نظربند کیا پہرے میں
دل کے لگ جانے کو کہتے ہیں میں ، قہرِ فرنگ
آیا جو گھائی کے اندر ، سو رہا پہرے میں

مہر حسن نے ان کا بہت سا کلام دیا ہے - گلشنِ بے خار میں چار شعر نقل کئے ہیں - اور ان کے اشعار کو دلچسپ کہا ہے - ان میں تین شعر مہر حسن کے علاوہ ہیں - تذکرۂ قدرت اللہ قاسم میں بیس شعر ہیں جن میں بہت سے نئے ہیں ، مگر اس بیاض میں جو غزلیں ہیں ان کا کہیں پتا نہیں -

مغرورِ حسن یا کہ بد اطوار کچھ کہو
 خاطر کسی کی رکھتا نہیں یار ' کچھ کہو
 بھی فکر جس کے قتل کی ' خلوت میں آپ کو
 حاضر ہے سامنے یہ گلہنگار ' کچھ کہو
 آنا نہ آنا ' آج بھی وعدے پہ ' مہری جاں
 تک ملہم سے اپنے تم بھی تو اک بار کچھ کہو
 جانا ہوں آپ سے ہی میں ' مجلس میں تیری یاد
 تم ملہم سے اپنے گاہے کو اک بار کچھ کہو
 تم جی میں کچھ نہ لائیو اے جاں اگرچہ خلق
 ہم صاف دید کے ہیں طلبگار کچھ کہو
 اچھے ہو واہ واہ ' اجی پوجے تمہارے پاؤ
 ملہم پر تو کچھ کہو ' پس دیوار کچھ کہو
 واقف کو اس تپاک پہ لائق نہ تھا تمہیں
 جو ملہم پہ کچھ کہو ' سرِ بازار کچھ کہو

کہا ہزاروں سے ہے اب تو ' تم نے ہاں اخلاص
 کرو گے گاہے کو اب ہم سے ' اے مہاں اخلاص
 ہر ایک بات پہ اب تم ' جو توڑتے ہو دل
 وہ دن بھی یاد ہیں رکھتے تھے جو بنے جاں اخلاص
 ہوا ہے اوروں سے تو ' جا کے آخریں مربوط
 ہمارا یونہی گھا ' مفت رائگاں اخلاص
 اب اُن سے ملنے سے کہا فائدہ ہے اے واقف
 یہاں وہ دل ہی رہا اپنا ' اور نہ واں اخلاص

یار

مہرِ احمد نام تھا - یارِ تخلص ، شاہِ آنہ یار کے صاحبزادے اور دلی
کے قدیم باشندے تھے - مہرِ تقی مہر سے زیادہ تر اصح لی - اسی کا اثر
ہے کہ ان کے اشعار میں وہی دل پرشتگی اور اندازِ موجود ہے - جو مہر و
شاگردانِ مہر کا خاص جوہر تھا - یہ اشعار بہت کم کہتے تھے - کبھی کبھی
دو چار شعر موزوں ہوجاتے تھے - ان کا ایک شعر تذکرۂ نساخ میں ملتا
ہے - مہرِ حسن نے ان کی ایک فزل کے تین شعر درج کیے ہیں - بیاضِ
موجودہ سے ایک نئی فزل نقل کی جاتی ہے -

نہ رہی نام کو اب آہ ! وفا دنیا میں
دکھ ہم کو ، نہ اب اک آن ، خدا دنیا میں
ہاے ! کیا صورتیں ان آنکھوں کے آئے سے نکلیں
اتھ گیا رہنے کا ، افسوس ! مزا دنیا میں
غیر از عصیان کے ہونے کا نہیں ، تجھ سے کچھ اور
جی کر ، اب اپنے تئیں ، کرنا ہے کیا ، دنیا میں
جیتا دیکھا ہی نہیں ، عشق کا بھمار کوئی
اس مرض کی نہ ملی آہ ! دوا دنیا میں
مفت بدنام ہوا یار تو ، عاشق ہو کر
کہتا ہے کوئی بھی ، اب تجھ کو بھلا دنیا میں

طبقتہ چہارم

اس دور میں وہ شعرا دکھ گئے ہیں جو غالب و ذوق کے معاصر
ہا ان کے شاکردوں میں تھے - یہ انتخابِ بیاضِ نمبر ۲ سے کیا گیا ہے -
یا شاف و نادر دوسری اسی کے ساتھ کی بیاض سے - اس میں بھی بہت سے

ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے زمانے میں نہایت مشہور و معروف تھے۔ اور لوگ اُن کے کلام کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مگر کلام نایاب ہونے کی وجہ سے لوگ نام بھی بھول گئے۔ اب کبھی تذکروں میں نام یا ایک دو شعر دکھائی دے جاتے ہیں۔ اِس دور کو بھی حروفِ نہجی کی ترتیب سے دکھا گیا ہے۔

(۱) اخگر (۲) برق (۳) جوش (۴) خاور (۵) درویش (۶) رمز (۷) شرر (۸) شریر (۹) صبر (۱۰) صحیح (۱۱) غلط (۱۲) معصوب (۱۳) محمود (۱۴) متغیر (۱۵) نشتر (۱۶) ہنر۔

اخگر

ملشی عبدالغفار نام تھا۔ اَلدَّن ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ اور سیال کوت میں ملازم تھے۔ اِسْتَداد ذوق کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نہایت پرگو، شوخ مزاج، بذلہ سلیج، حریف و ظریف، طباع اور قادر الکلام لوگوں میں تھے۔ کبھی کبھی جب وطن میں ہوتے تو دہلی کے مشاعروں میں شرکت کے لیے جاتے تھے۔ بیاضِ نمبر ۲ انہیں کی مرتبہ ہے۔ جس سے اُن کی ایک غزل قلعے کے مشاعرے کی، اور ایک نظم، ہم درج کرتے ہیں۔

دکھانا ہے کھا کھا، وہ تماشا مرے آگے

سر قہر کے زانو پہ، کفِ پا مرے آگے

پھر آنا جو وہ رشکِ مسیتھا مرے آگے

آنا نہ یہ پیغام اجل کا مرے آگے

کج بازی یہ افلاک کی، اظہر ہے من الشمس

بھائے ہے مجھے چہرے کے سایا مرے آگے

سکتا، مجھے کہتے ہیں، جو کچھ ہو نہیں سکتا

انہشت بدندان ہیں اطہا مرے آگے

بس ضعف سے امروز ہی جھٹنا مرا معلوم
 کہوں کرتے ہو تم ، وعدہ فردا مرے آگے
 ہر وقت ملوڑ ہے زبس ، نورِ تجلّی
 نادم ہو ، جو چمکے ، یدِ بیضا مرے آگے
 ہوں ایسا تظلم سے ، میں صہاد کے معدوم
 پھرنا ہے مجھے دھونڈنا ، علقا مرے آگے
 انکشت بدنِ دال ہوں میں ، اُس فلجہ دھن سے
 کھل سکتا نہیں ہے ، یہ معما مرے آگے
 وہ داغِ جدائی سے ہے ، سہلہ مرا گلزار
 بس رشک سے ، گل کھائے ہے ، لالا مرے آگے
 اچھا ہوا ، جو دام میں کاکل کے پھنسا ، دل
 مدت سے ، یہ آوارہ تھا لڑکا مرے آگے
 کیا بغض ہے ، معلوم نہیں ، مرغِ سحر کو
 جو وصل کی شب ، شب ہی سے بولا مرے آگے
 ہے عینِ تلطف میں ، یہ آنکھوں کا دکھانا
 دستہ ، گلِ نرگس کا ، جو بھوجا مرے آگے
 با تیغ و کفن جانا ہوں ، در کوچہ سفاک
 کہا قتل میں لائے گا وہ ، حیلہ مرے آگے
 یہ پھیل گئی ہو ، کہ محلّہ مہک اُٹھا
 وہ رشکِ چمن ، چھپ کے جو آیا ، مرے آگے
 کہا فائدہ ، گر کھجندے افلاک کا شکو
 آیا ہے ، جو قسمت کا تھا لکھا ، مرے آگے
 معلوم نہیں سہلے میں ، کیا جلتا ہے اخگر
 اُٹھتا ہے جو ہر وقت ، یہ شعلہ مرے آگے

برق

آپ کا نام قاضی نجم الدین اور تخلص برق تھا - سکندر آباد ، ضلع
بلند شہر کے رہنے والے تھے اور ایک معزز خاندان کے رکن تھے - آپ کا
بچپن اور شباب دہلی میں گزرا - وہیں تعلیم پاکر حکیم مومن خاں کے
شاگرد ہوئے اور پھر اُن کے اشارے سے تسمکین سے اصلاح لی ، جو مومن کے
شاگرد رشید تھے -

آپ کی مشق نہایت اعلیٰ درجے کی تھی اور شاگردانِ مومن میں آپ کو
ایک ممتاز درجہ حاصل تھا - کلام بہت سا جمع ہو گیا تھا - مگر طبیعت
کی بے پروائی سے تلف ہو گیا - ۷۲ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۸۹۹ء میں
انتقال کیا۔ نہایت خودار ، خوش خو ، با وضع ، بذلہ سنج ، لطیفہ گو ، واقع ہوئے
تھے - تین چار صفحے کا انتخاب حمتخانہ جاوید میں موجود ہے - بیاض
نمبر ۲ میں جو کلام ملتا ہے وہ تھا ہے اور ہم اُسی کو پیش کرتے ہیں -

آفریں سے ہماری جو ، جانان نکل گیا
گھبرا کے سہلے سے ، دلِ نال نکل گیا
کیا کیا یہ حسرتوں جگر و دل میں رہ گئیں
سہلے سے آئے اُس کا ، جو پیکل نکل گیا
بہل کی طرح سہکڑوں نال ہی رہ گئے
جس راہ سے ، وہ رشکِ گلستاں نکل گیا
ہم خاک میں ملے تو ملے ، پر یہ شکر ہے
دل سے ترے قہار ، مری جاں نکل گیا
ایسی کچھ آہنی ، جگر و دل پہ ، ہائے ، جب
پہلو سے ، فہرستِ مہ تاباں نکل گیا

تھاما دلِ حزیں کو، تو لختِ جگر گرے
 تھانبا جگر کو، تو دلِ فالں نکل گیا
 چارۂ سوزِ نہاں کر کے، جلے گا تو بھی
 برقِ نالے جو تھرے، یوں ہی شرربار دھ
 چوونٹتی مٹم مٹم لہے پھرتی ہے، اُس کے بام پر
 ضعف سے رتبہ ہوا یہ، عاشقِ رنجور کا

جوش

آپ کا نام شیخ نیاز احمد تھا اور اللہ دیا عرف - شیخ ابراہیم ذوق کے عزیز ترین شاگرد تھے - مشتاق شاعر تھے - قلمے کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور دادِ سخنِ سنجی دیتے تھے - سنہ ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا - ان کے صرف تین شعر تذکرۂ نساخ میں درج ہیں - مگر بھاضی نمبر ۲ سے ہم ان کی وہ غزل نقل کرتے ہیں جو ایک بڑے مشاعرے کی ہے، جو غازی الدین خاں کے مدرسے میں منعقد ہوا تھا - اُس میں ذوق، مومن، غالب اور شہقند وغیرہ بھی موجود تھے - سب کی غزلیں اِس زمین میں موجود ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ مشاعرے کی اہمیت کو دیکھ کر سب نے بہت زور دار غزلیں کہی ہیں -

نہ مکتفی ہو، مری ایک داستان کے لہے

دو صد زباں ہوں اگر، کُلکِ دو زباں کے لہے
 کل ایسے، خواب میں ہوئے، ترے دہان کے لہے
 کہ آج تک ہے وہی ذائقہ، زباں کے لہے
 یہی عروج ہے گر، نالہ و فغاں کے لہے
 تو کوئی دم میں، بلا آئی، آسمان کے لہے

وہم نہیں ہیں کہ جو، جی چھپاؤں جاں کے لئے
 کھلا کے دیکھ، لو تم زہر، امتحان کے لئے
 ازل مہیں جب، جگر و دل بہم ہوئے تقسیم
 ملے ہمیں بھی، مگر، چشمِ خوں فشائے کے لئے
 تمہارا معصوم تماشا، ہوا ہوں کچھ ایسا
 کہ بن کھا ہوں تماشا، مہیں اک جہاں کے لئے
 نہیں ہے طریق سے کم، حلقہ گریباں بھی
 جلوں مہیں، اس ترے مجنونِ ناتواں کے لئے
 مٹا گئے ہیں، یہ ہستی کو، رفتگانِ عدم
 کہ نقشِ پا بھی نہوں ہے کہوں، نشان کے لئے
 جگر سے نکلے اگر، آہِ شعلہ دار مری
 تو ایک شمع ہو فانوس، امتحان کے لئے
 نصیب، باغِ جہاں میں، یہ بے کسی ہے مجھے
 کہ دل کے خار، چلے مہیں نے، آشیاں کے لئے
 اثر، جو یار کے دل میں نہ کرسکے، شبِ ہجر
 جگا دے نالہ، مؤذن ہی کو، اذان کے لئے
 اگر ہے اپنا گریباں، تو بہرِ دستِ جلوں
 جو آستین ہے، تو ہے چشمِ خوں فشائے کے لئے
 نہیں ہے رونے کا غم اپنے، پر یہ ہے رونا
 کہ تم نروو کہوں، بیتہ کر، مکان کے لئے
 خدا کی شان! تجھے رنجِ دوری ناقہ
 مزے ہوں قرب کے، اے قہس، سداں کے لئے

ففس میں بیٹھ رہے ہم ، بھلا ہوا صہاد
 کہ جائے ، تھوندتے پھرتے تھے ، اشیان کے لئے
 دیا ہے اُس بتِ بے دادگر کو ، جوش نے دل
 ہمیں تو آتا ہے افسوس ، اِس جواں کے لیے

خاور

مرزا محمد اکبر خان نام تھا مرزا مہدی مہدی سہستانی مقیم اکبر آباد
 صاحبزادے تھے - فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکرِ سخن فرماتے تھے -
 فارسی میں مرزا محمد حسین خرا سانی اور اردو میں مہر وزیر علی صبا
 لکھنوی کے شاعر تھے - اِن کا صرف ایک شعر تذکرۂ سخنِ شعرا میں درج
 ہے۔ مگر خیمخانۂ جاوید میں اِن کی درخشاں کا انتخاب دیا گیا ہے اور لکھا
 ہے کہ سو روپیہ ماہوار مہاراجہ پٹیالہ کی سرکار سے تنخواہ مقرر تھی -
 سنہ ۱۲۹۵ھ میں پینتالیس سال کا سن تھا اور ساتھ برس سے زیادہ عمر
 پائی - اِس سے اِن کا سالِ وفات تقریباً سنہ ۱۳۱۰ھ قرار پاتا ہے - بڑے
 جہدِ عالم اور نہایت خوش گو تھے - ایک غزل بیاضِ نمبر ۲ سے نقل کی
 جاتی ہے ، جو فہرِ مطبوعہ ہے -

کچھ حالِ دل کے کہئے... دُرتا نہیں ہوں میں
 اِس میں بھی ایک بات ہے ، کہتا نہیں ہوں میں
 یہ ضد بھی کام آئے گی اپنی ، کسی جگہ
 جس جا پہ بٹھتا ہوں ، پھر اُٹھتا نہیں ہوں میں
 کہلے وہ جان پر ، یہ صدو کا جگر کہاں
 دل دے کے ، جی چراؤں ، کچھ ایسا نہیں ہوں میں

دل میں خہالِ وصل رہا، عمر بھر مجھے
 اس واسطے فراق میں، سوتا نہیں ہوں میں
 واں تو کھٹک رہا ہوں میں، آنکھوں میں فہر کی
 یاں آپ اپنی نظروں میں، جچتا نہیں ہوں میں
 آنا ہے روز، مہری عہادت کو، وہ مسہم
 اچھا ہوا ہے یہ بھی، کہ اچھا نہیں ہوں میں
 کر تو غلام، ایک ہی بوسے پہ، تو مجھے
 اس میں بھی کچھ دروغ ہے، سستا نہیں ہوں میں
 دل میں یہ تر ہے، شکر نہ ہو جائے پھر کبھی
 شکوہِ عدد کا، اس لیے سلتا نہیں ہوں میں
 دل بھی عجیب خضر ملا، راہِ عشق میں
 اب تک تو کوئے یار میں، بھٹکا نہیں ہوں میں
 مارا ہوا ہوں میں، شبِ فرقت کا ان دنوں
 بس حالِ دل نہ پوچھو، اچھا نہیں ہوں میں
 تہمتِ عبث ہے، مجھ پہ یہ، مرنے کی بار بار
 تم آ کے دیکھ جاؤ، کہ جیتتا نہیں ہوں میں
 زخمِ جگر کے واسطے، سب دل لگی گئی
 رونے کا یہ مقام ہے، ہلستا نہیں ہوں میں
 تر تر کے، چونک پڑتا ہوں، کلیجِ مزار میں
 صدمہ، شبِ فراق کا، بھولا نہیں ہوں میں
 مرنے کا لطف، دیکھ رہا ہوں میں، زہست میں
 یہ بھی تو ایک موت ہے، مرنے نہیں ہوں میں

نزدیک اُن کے جانا ہوں، کس کس فریب سے
 کچھ دُور سے جو کہتے ہیں، سنتا نہیں ہوں میں
 ذوقِ سخن نہ پوچھئے خاور کہ اِن دنوں
 چھکی یہ لگ رہی ہے، کہ گویا نہیں ہوں میں

درویش

مہر شاہ علی دہلوی کا نخاص تھا - آپ حضرت شاہِ اَلَدِیَا کی
 اولاد میں تھے - مہر نظام الدین ممدون کے شاگرد تھے - آخر عمر میں
 ترکِ تعلقات کر کے فقیر ہو گئے تھے، اور شعر گوئی بھی ترک کر دی تھی -
 صرف دو شعر اِن کے گلشنِ یہ خاں، تذکرۂ نساخ اور خمتخانے میں پائے
 جاتے ہیں - ہم بیاضِ نمبر ۲ سے ایک غزلِ فقیر مطبوعہ نقل کرتے ہیں -
 یہ مہرزا غالب و ذوق کے معاصر تھے اور نہایت مشتاق تھے -

تجہم سے کہتا ہوں دلا، حالِ پریشاں چھوڑ دے
 اے جنوں! بہرِ خدا مہرا گریباں چھوڑ دے
 عشق کی منزل ہے مجھ کو، اور جانا دور ہے
 دامن التجہا ہے مرا، خارِ بیاباں چھوڑ دے
 رات دن فریاد... زاری میں گزرتی ہے مجھ
 اے خہالِ یار! اب تو غم کا ساماں چھوڑ دے
 اے تصور، یار سے کہدے کہ اے پردہ نشیں
 آسوی آنکھوں میں، اور مڑگاں کا داماں چھوڑ دے
 یا علی، درویش نے پکڑا ہے دامن آپ کا
 غم سے کہہ دیجھو کہ اب تو غم کا ساماں چھوڑ دے

رمز

رمز تخلص تھا، شاہزادہ فتح الدین فتح الملک بہادر معروف بہ مرزا فتحرو ولعہدِ دریمی حضرت سراج الدین ظفر بادشاہ دہلی کا، جو سنہ ۱۲۱۹ ہجری میں ولعہدِ سلطنت قرار پائے تھے۔ مگر تقدیر کو منظور نہ تھا، ہلکامۂ غدر سے پہلے ہی سنہ ۱۸۵۲ع میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ ذرقِ مرحوم کے ارشدِ تلامذہ میں تھے۔ نہایت خوشگو اور پرگو شاعر تھے۔ دیوان مرتب ہو چکا تھا، مگر آشوبِ غدر میں ایسا تلف ہوا کہ سوائے اُس معمولی انتخاب کے، جو بعض تذکروں میں موجود تھا، کچھ باقی نہ رہا۔ آپ دہلی کے اُن مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے جو قلعۂ معلیٰ میں منعقد ہوتے تھے اور جن میں غالب، مومن، ذرق، شیفتہ وغیرہ تمام اساتذہ متاخرین دہلی شریک ہوتے تھے۔ آپ اُس مشاعرے میں بھی شریک تھے جس میں مرزا غالب مرحوم کی یہ غزل ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

اِس زمین میں مرزا غالب کے علاوہ خود ظفر اور دوسرے اساتذہ کی فزلیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ محبوب شاکر، مستور اور احقر شاکر ذرق کی غزلیں ہم اِسی بیاض سے آگے نقل کریں گے۔ اِسی میں رمز کی غزل بھی موجود ہے، مگر پڑھی نہ جانے کی وجہ سے اُس کو چھوڑ کر ہم ایک اور غزل نقل کرتے ہیں۔ اِس زمین میں بھی مرزا غالب کی غزل موجود ہے۔ اور غالباً ظفر کی غزل بھی ہے۔ معلوم ہونا ہے کہ یہ بھی قلعۂ معلیٰ کا کوئی مشاعرہ تھا۔ اِس غزل کا چوتھا اور دسواں شعر خمخانۂ جاوید میں نقل ہوا ہے۔

تم آؤ، یا ہمِ فرقت میں، یہ کم بخت دم نکلیے

تمنا، کوئی نو دل کی دہارے، اے - ہمِ نعلیے

'جہنم میں ان عذابوں سے، مری حسرت' صلہ نکلیے
 کہیں بیداد سے تھرے، یہ جاں پرُ الم نکلیے
 قسم کھائی ہو جب اُس نے، تصور مہوں بھی آنے کی
 تو حسرت کوئی دل کی کیونکہ، چرخ پرستہ نکلیے
 الہی! موت تو ہوگی، مگر یوں ہو، تو بہتر ہو
 کہ سر ہو پانچو پر قاتل کے، اور سجدے مہوں دم نکلیے
 نظر آجائیں عالم کو، ابھی، آثارِ معشو کے
 خراماں گھر سے، گر وہ نازنہیں، اک دو قدم نکلیے
 مبارک اے تسلائے شہادت، اب تو بن آئی
 کہ میرے قتل کو، گھر سے، وہ کھا کر ہیں، قسم نکلیے
 جدھر دیکھا، نظر آئے تماشے، اک خدائی کے
 ہمارے دیدۂ چہراں بھی، گویا جامِ جم نکلیے
 اگر سہدی کہوں ان سے، تو یہ اُلٹی سمجھتے ہیں
 مگر یہ حضرتِ ناصح بھی کوئی اک رقم نکلیے
 معصیت مہوں کھا جب امتحان، عشاق کا اُس نے
 تو سردیلے کو، اس مہداں میں، سب سے پہلے، ہم نکلے
 نہو جب ضعف سے طاقت، کہ آئے جان بھی لب تک
 تو ہم سے نانوانوں کا، کہو، کس طرح دم نکلیے
 بلائی درد و غم سے، جب کہ صانع نے، بنا اُس کی
 تو پھر فرمائیے، کہوں کر دل پر غم سے غم نکلیے
 اٹھایا قطرے قطرے نے بھی، جس کے، نوح کا طوفان
 یہ آنسو تو مرے، اے چشمِ تر، کوئے ستم نکلیے

لہوں پر جان ہے ، اور شوق ہے وہ ہی ' جہاؤں کا
سعم کش ہم سا دھوندو ' تو جہاں میں کوئی کم نکلیے

شور

مرزا غیاث الدین نام تھا ۔ مرزا قمر الدین ' شہدا کے صاحبزادے ' شہ عالم بادشاہ کے پوتے اور شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے ۔ قلعة معلی کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے ' اور اپنے معاصرین میں خوش گو مانے جاتے تھے ۔ سنہ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ' اور غدر کے زمانے میں بغاوت کے الزام میں پھانسی ملی ۔ اُس وقت ۲۵ برس کی عمر تھی ۔ نہایت بارضع تھے ۔ دلی میں کوچہ بلائی بیگم کے قریب ایک باغیچے میں دھتے تھے ۔ ان کے تین شعر تذکرۂ نساخ میں اور پانچ شعر ان کے علاوہ تذکرۂ خمخانہ میں موجود ہیں ۔ بیاض نمبر ۲ میں ان کی ایک فزل موجود ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں ہے ۔

ازل کے دن جو ہر اک درد کی دوا تھہری
تو اُن کے بوسے لب پر ' مری شفا تھہری
ہمارے واسطے کیا کیا نہ کچھ سزا تھہری
کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا خطا تھہری
نہ دم لیا ' نہ کہیں راہ میں زرا تھہری
ہماری آہِ رسا ' لامکن پہ جا تھہری
تمہارے آنے پہ ' دم دے کے ' جاں کو روکا ہے
تو لب پہ آن کے ' پوچھے تھے تجھ سے ' کیا تھہری
پہرا نہ جیتتا ہوا ' کرے یار سے کوئی
گلی صنم کی عزیزو ' یہ کر بلا تھہری

لگا جو دانت مرا لب پہ، ہنس کے فر مایا
ہمارے بوسے نہ تھہرے، کوئی غذا تھہری

شُرر کے دیدۂ خوں بار کو، کیا پامال
تو اُن کے پانو میں، وہ سوخی حنا تھہری

حمیدِ واحد میں، جو خامۂ غزل خواں اپنا
قل ہوا اللہ کی تفسیر ہے، دھوان اپنا
رحمتِ عام کا اُس کی جو گزرتا ہے خیال
گھر سمجھتا ہوں شور، روضۂ رضوان اپنا

شریرو

منشی احمد خاں نام تھا - دہلی کے رہنے والے تھے، مگر قہام فہرورزور
میں رہتا تھا - غالب و مومن کے معاصر تھے - تذکرۂ سکین شعرا میں
اُن کا ایک شعر ملتا ہے - بیاضِ نمبر ۲ میں ایک پوری قزل ہے، جس کے
جتنے شعر پڑھے جاسکے، وہ درج کیے گئے -

ہوئے کیا ہی مزہ جو وہ فلجیہ دھن، ملے مجھکو اکھلا بہ صحنِ چمن
ملوں سہنے سے سہنے، بدن سے بدن، چہو، لبوں کو لبوں سے، بدن سے بدن
ہوا پیدا تو ایسا ہی رشکِ چمن، کہ یہ جسم ترا ہے جوں برگِ سمن
ترے ہونٹوں سے لعلِ یمن کی پھین، تری زلف ہے جھوسی کہ مشکِ ختن

بہلا کس سے سناؤں میں اپنی خبر، وہاں جاتے لگے ہے بہت سوں کو ڈر
 پڑی رہتی ہوں مانتے پہ شام و سحر، وہاں تھوری پہ تھوری شکن پہ شکن
 ہوئی ہم کو نصیب جو وصل کی شب، تو ملا ہے یہ اس میں بھی رنج و تعب
 وہ کہہ ہے کروں گا میں تجھ پہ غضب، جو چہرے کا ذرا بھی بدن سے بدن
 ارے تیرا ہی دل نہ شریک لیا، جو کرے ہے انہوں سے یہ شکوہ سدا
 کہ انہوں نے ہزاروں کو قتل کیا، لڑے جس سے انہوں کے نہیں سے نہیں

صبر کان پوری

ان کا نام محمد رضا تھا - صبر تخلص - رشک لکھنوی کے شاگرد تھے -
 اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا -

غیر کو شانہ کھس گھسے جانان دیکھا
 رات، یہ ہم نے عجب خواب پریشان دیکھا
 خط سے، جاتے ہوئے رنگِ رخِ تاباں دیکھا
 آج بجھتا یہ چراغِ تہِ داماں دیکھا
 سنگِ دل کو نہ کھا موم، کسی دن تو نے
 جا، اثر تیرا بس اے نالہ سوزاں دیکھا
 ہار نے روئے کتابی پہ، جو زلفیں چھوڑیں
 آج دو گہر کو پڑھتے ہوئے قرآن دیکھا
 کہا خیالِ رخ و کاڈل میں ہے مصروف، اے صبر
 رات دن ہم نے تجھے، سر بہ گریبان دیکھا

غلطان

کریم بخش نام تھا - کھرانہ ضلع مظفر نگر کے دھنے والے تھے - ذرق کے شاگرد تھے - ممکن ہے کہ دہلی میں قیام دیتا ہو۔ ایک غزل ان کی بھانسی نمبر ۲ میں موجود ہے۔ نسخہ نے ان کے صرف دو شعر اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں۔

برقع جو اٹھا چہرے سے ، اُس رشکِ قمر کا
 پایا نہ نشانِ طور پہ ، موسیٰ نے بصر کا
 دریاں بھی الگ رہ گیا ، اُس یار کے در کا
 پہنچا وہ کمدِ دال کے ، بھیدی تھا جو گھر کا
 پھر گنبدِ گردوں پہ بھی ، پھر جاوے گا پانی
 چشمہ یہ اگر ، وا ہو ، مرے دیدہ تر کا
 آنکھوں تو ملاوے زوا ، قاتل سے ہمارے
 دعویٰ ہو ، خدائی میں جسے ، تیغ و سپر کا
 دل آہ گیا طفل یہ سائے میں پری کے
 باندھا کیا تھا ، لاکھ میں تعویذِ نظر کا
 اُس نور کے شعلے نے وہاں طور کو پہونکا
 اور پیاں نہ جلا ، دیکھیے ، پتّا بھی شجر کا
 آلاں کما کان ، سنا میں نے ہے زاہد
 اِس میں بھی دوئی سمجھے ، تو ہے فرقِ نظر کا
 ہر دم ہے مجھے موت ، ترے ہجر میں ظالم
 پایا نہ پتّا وصل میں بھی ، اُس کی خبر کا
 غلطان ، سمندر میں لگا عشق کے ، فوطے
 طالب ہے ، حقیقت میں جو تو ، اشکِ گہر کا

محبوب

دہلی کا ایک کامل الفنِ قوال تھا ، جس کو اپنے فن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ذوق بھی بدرجہ اتم تھا - قلعے کے مشاعروں میں شریک ہوتا تھا - اور معتبر بزرگوں سے سنا کہ بادشاہ کی غزل گاکر یہی پڑھتا تھا - اُس کی اُس غزل پر ایک غزل ، بیاضِ نمبر ۲ سے ملی ، جس میں مرزا غالب کی غزل ہے -

بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے

چلانیچہ وہ درج کی جانی ہے -

گلشن ہے ترے ہجر میں صحرا ، مرے آگے

ہے خار سے بدتر ، گلِ رعنا مرے آگے

دنیا ہے یہ اجڑا سا محلّہ مرے آگے

گردوں ہے ہلڈولے کا تماشا مرے آگے

رتبے ہیں قدِ یار کے ، کیا کیا مرے آگے

ہے سرو سے کم ، درجہ طربلی مرے آگے

مشکل ہیں مضامین ، کمر کے مجھے کہنا

آسان ہے ولے ، بلدش علقا مرے آگے

گو صورتِ درویش ہوں ، پر دل وہ غلی ہے

کملی سے بھی کمتر ہے ، دوشالا مرے آگے

میدانِ مہمِ تعشق کے ، مہم وہ شور ہوں غراں

کیا تاب ہے ، مارے کوئی کلا مرے آگے

الچھ ہے دلِ زار مرا ، دامِ بلا میں

ہردم تو ، نہ یوں زلف کو سلجھا مرے آگے

از بس غمِ ہجران میں ، وہ گاہیدۂ تن ہوں

ہے کوہِ صنم ، ضعف سے نلکا ، مرے آگے

سمجھا مَیں ' ترے ہجر مہیں ' قلقلِ اُمّی صدا کو
 لے ہچکیاں روتا ہے ' یہ شہشا مرے آگے
 من بعد ' وفاؤں کو مری ' یاد کرے گا
 وہ ' گو کہ مری قدر ' نہ سمجھا ' مرے آگے
 ہر چیز ' ہر اک پر ' اُسے ممتاز کیا ہے
 آدم ہے مگر ' خاک کا پتلا مرے آگے
 سمجھوں ہوں شبِ وصل کو مہیں ' روزِ جدائی
 خلوت مہیں بھی ' دکھتا ہے وہ ' پردا مرے آگے
 اغلب کہ ہے امروز ہی فرداے قیامت
 جو اُس نے کیا ' وعدہ فردا مرے آگے
 ہوتا نہ قلم ' غرقہ گردابِ تحوّر
 کھل جانا اگر ' ناف کا عقدا ' مرے آگے
 محبوبِ مقرر ہے ' تری خدمات سے ' اے دل
 نس پر تو عہث ' کرتا ہے شکوا ' مرے آگے

محبود

مرزا محمود شاہ نام اور محمود تغلص تھا - شیخ ابراہیم ذوق کے
 تلامذہ مہیں تھے اور ابو ظفر ' بہادر شاہ کے داماد تھے - قلعہ معلیٰ کے مشاعروں
 مہیں شریک ہوتے تھے - کلام اچھا خاصا جمع ہو گیا تھا ' مگر فدر کے
 ہلکامے مہیں تلف ہو گیا - چنانچہ اب صرف ایک شعر اِن کا تذکرہ
 نَساخ مہیں ملتا ہے - ہم بھاضِ نمبر ۲ سے ایک پوری غزل نقل
 کرتے ہیں -

کہاں ہے مشکِ مہوں بو، زلفِ پُرشکن کی سی
 خطا سے کہتے ہیں سب، نافۂ ختن کی سی
 ملی صبا کو نہ جب، اُس دھانِ تلگِ مہوں راہ
 ہوئی تلاشِ مجھے، مختصر سخن کی سی
 نہیں ہے جب سے کہ بَر میں، وہ غہرتِ شیریں
 جگر مہوں کاوہں پلہاں ہے، کوہکن کی سی
 ہمارے داغِ جگر میں بھی، دیکھ لو، صاحب
 چمک ہے، آپ کے بازو کے، نورتن کی سی
 وہ مارِ زلف کا کاتا، تو جی یہ کھول گیا
 لو، اب تو ہو گئیں لہریں، تمہارے من کی سی
 فغاں کو سن کے مری، پلبیلوں نے روکے کہا
 صدا ہے یہ کسی عاشق، جلا وطن کی سی
 ہوا ہے چشمِ غزالاں سے اُنس، کیا، محمود
 پھرے ہے طبعِ رسا چوکڑی، ہرن کی سی
 مستخیر^۳

- منشی محمد احسان اللہ نام تھا، دہلی کے قدیم باشندے تھے -
 مگر کمپ میوٹھ میں مقیم تھے - شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے -
 قلعے کے مشاعروں میں شریک ہو کر دادِ سخن دیتے تھے - افسوس کہ
 زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا - کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاق تھے -
 تذکرۂ نساخ میں مختلف غزلوں کے چھ شعر انتخاب کر کے دیے ہیں
 بھاضِ نمبر ۲ میں ان کی ایک غزل اُسی زمین میں دستہاب ہوئی
 ہے جس میں مرزا قالب کی غزل ہے :— ہاڑچٹہ اطفال ہے دنیا مرے آگے
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اُس مشاعرے میں شریک تھے -

دھتا ہے سدا، یار کا جلوہ مرے آگے
 ہے اُٹھ پہر، ایک تماشا مرے آگے
 آنکھوں سے بہے، سیکڑوں دریا مرے آگے
 اک چشمِ زدن میں، ہوا کیا کیا، مرے آگے
 جس دن سے سنا، عارضۂ عشق ہے مجھکو
 آنا نہیں، وہ رشکِ مسیحا مرے آگے
 اے یار، میں دلِ تھام کے رہ جانا ہوں اپنا
 لیتا ہے کوئی نام، جو تیرا، مرے آگے
 شعلہ کوئی کہتا ہے، کوئی مہ، کوئی خورشید
 اُلگو تو، نقابِ رخِ زیبہ مرے آگے
 صاحب، میں تمہاری سخنِ آرائی سے، گزرا
 تم کرنے لگے، ذکرِ عدو کا، مرے آگے
 حسرت ہے، کہ تجھکو غمِ تلہائی سناؤں
 ظالم، کبھی آبیٹھم اکیلا مرے آگے
 جی ہل گیا، جب تیرِ نگہ کھا کے مراد دل
 بسمل کی طرح، خاک پہ تریا مرے آگے
 ناصح، تری پند آتی نہیں، میری سمجھ میں
 تو بیٹھ کے، دل کو مرے سمجھا، مرے آگے
 سمجھا ہوا ہے طائرِ دل، آپ کو زیرک
 ہاں، کھول تو دو، زلفِ چلہپا مرے آگے
 آنکھوں میں، تری زلفِ سیہ، جب سے سائی
 دھتا ہے مدام، ایک اندھیرا مرے آگے

کیا قصد ہے اب اور ، مجھے چپ تو لگاؤ
 باتیں نہ بولا ، او ستم آدا ! مرے آگے
 میں مضطرب الحال ، جو ہو جانا ہوں ، ہر دم
 پھر جاتی ہے ، وہ صورتِ زیبا مرے آگے
 مارا مجھے آخر ، تری روپوشی نے ظالم
 آگے سے سرک جا مرے ، مت آ ، مرے آگے
 بجلی سی چمک جاتی ہے ، آنکھوں کے حضور ایک
 آ جاتا ہے جس دم ، وہ بھوکا مرے آگے
 میں معصوم تصور ہوا ، جس وقت مخمور
 بس کھینچ گیا ، اُس سرخ کا نقشا مرے آگے

ہنر

مرزا بختیار بخت دہلوی نام ، شاگردِ مرزا حاجی شہرت - نیہرۃ شاہ عالم
 بادشاہ شاگرد احسان دہلوی (؟) ان کے دو شعر تذکرۃ نساخ میں ملتے ہیں -
 یہ غزل جو بیاض سے نقل کی جاتی ہے اس کا کوئی شعر ان کے نام سے نہیں
 ہے - معلوم ہوتا ہے کہ شعراے متاخرین میں سے ، مہر ، سودا ، قائم وغیرہ سے
 بعد کے لوگوں میں تھے - کھونکہ غزل کے دیکھنے سے زبان کی شستگی
 و دفعگی کا پتا چلتا ہے -

رات ، بے اختیار آنکھوں میں	کھب گئی زلفِ پیار آنکھوں میں
ہو کے مشتاق ، اُس کے وعدے کا	وہ گھا انتظار آنکھوں میں
شوقِ دیدار میں ترے کلرو	کھل دہی ہے بہار آنکھوں میں
بارہں اشک کی کہوں کیا بات	جاری ہے آبشار آنکھوں میں
اب تو آنے لگے ہیں لختِ جگر	ایک دو تین چار آنکھوں میں

کھونکہ اُس کو چھپاؤں دل میں ہنر
وہ دھے دھے ہزار آنکھوں میں

اِس کے بعد ہم اُن شعرا کے کلام کو بھی پیش کرنے کا ارادہ رکھتے
ہیں جو اِن بیاضوں میں موجود ہیں، مگر کسی صورت سے اُن کے حالات
و واقعات کا پتا نہہیں چلتا - کاش یہ سعی مقبول ہو، تو کارِ فراہمی
دوسری طرف مشغول ہو -

فرہنگ الفاظ مستعملہ قدیم

بانا—ہ (۱) لباس۔ وردی۔ وضع بھیس

(۲) وہ تار جو کھڑا ہلنے میں

عرض میں لٹائے جاتے ہیں۔

(۳) طلائی، نقرئی، ریشمی

قدرا جو بہادری کی نشانی

سمجھ کر پاؤں میں ڈالتے

ہیں۔ (۴) ہنر پیشہ۔ (۵)

لڑائی کا ایک آلہ جس کو

دونوں ہاتھوں سے تھام کر

گھماتے تھے۔

باری—ہ، ہاولی۔

ہائی جی—ہ (۱) با عزت عورت۔

(۲) ہندو ناچنے گانے والی عورت۔

بچکانہ—ف، بچپن کی قابل۔ حاتم

کی نظم میں بچپن کے معنی

میں آیا ہے۔

بر—ہ (۱) شوہر۔ منگیترا (۲) کپڑے

کا عرض۔ تلوار کی چوڑائی۔

ف (۱) بغل (۲) جنگل۔ (۳)

پہلو (۴) اوپر (۵) باہر (۶)

جسم، تن (۷) نزدیک۔

ہستکی—ہ، مراد ہستکی رنگ کی

پگڑی۔

۱

آذر—آفتاب کے برج حوت میں دھنے

کی مدت، جو ماہ چھت

سے مطابق ہے۔ ابر آذری سے

مراد، ابر بہار۔

آن—ہ (۱) عہد۔ قسم۔ (۲) ضد۔

ہمت۔ (۳) مذاہمی، روک

توک۔ (۴) وضع۔ شان۔

دستور۔ ع، وقت۔

ایا—ع، انکار۔

ایگنا—ہ، ایگن، غار۔

آسپک—ف، بڑا خیمہ، گھوڑے پر

نشانہ لگانا۔

اگن—ہ، اک چھوٹی خوش آواز

چڑیا۔

الغیات—ع، فریاد۔

انکھیاں—ہ، آنکھیں۔

اوقات—ع، وقت کی جمع۔ اردو میں

حیثیت کے معنی میں بولتے

ہیں۔

ب

باس کرنا—سونگھنا۔ اب اس معنی

میں نہیں بولتے۔

پشوری—ہ' پشاوری -

پلارک—ف' فولاد جوہر دار کی ایک

قسم - معجازاً تلوار -

پونی—ہ' روئی کا گول کیا ہوا گالا

جس سے چرخے کے تکلے پر تار

نکالتے ہیں -

پہرنا—ہ' پہنا -

پہلدا—ہ' پہلدا مارنا - اب اس

معنی میں متروک ہے -

پہلدا—ہ' پگڑی -

پیو—ہ' بجائے پیہا -

پیوندی موچھیں—بڑی بڑی موچھیں -

اب نہیں بولتے -

ت

تبارک—ع' بزرگ برتر - قرآن شریف

کے پارہ ۲۹ کی ایک سورت

کا نام -

تجلا—ہ' دانستہ کسی چیز کا ضائع

کرنا - ترک کرنا -

تویز—ہ' تعویذ -

تھکھا—ہ' تھیز مزاج -

تھیں—ہ' بجائے تو کے مستعمل تھا

اب متروک ہے -

تھیں—ہ' بجائے کو - اور - تک -

کے بولا جاتا تھا -

بطانا—ع' (۱) دل کا راز (۲) استر -

اردو میں وہ کھڑا جو دستار

کے نیچے لپیٹتے ہیں ' تہ

پیچ - (بٹانا) (۱) چوڑی پہنانے

کا پیمانہ جو ملہار اپنے پاس

دکھتے ہیں - (۲) سونے پیتل

وغیرہ کی ہاتھ میں پہننے

کی چوڑیاں -

بغل گرم کرنا—ہ' پاس سونا -

پلکا—ہ' بانکا -

بھڑ بھڑا—ہ' غلہ بھوننے کا ہمیشہ

کرنے والا -

بیگلتہ—ہ' بہشت - جلت -

پ

پائے گھر—ف' پابند - مقید - قائم -

پت—ہ' اعتبار - ساکھ - عزت - آبرو -

بات -

پتاپتی—ہ' ایک کھڑے کا نام -

پتچورا—ہ' پاچی -

پتچھوں—ہ' پیچھے -

پرتلا—ہ' وہ چورا تسمہ جس کو تلوار

لٹکانے کے لیے کندھے پر ڈالتے

ہیں -

پرمل—ہ' بھگوکر بھونی ہوئی مکئی -

پڑے پھرنا—ہ' مارے مارے پھرنا -

چل—ہـ 'خطا' قصور -

چورنگ بنانا—ہـ 'چار ٹکڑے کر کے

تلوار وغیرہ سے کاٹنا -

چیرہ—ہـ 'ایک قسم کی منقش
پگڑی -

خ

خالہ کا گھر نہیں—ہـ 'یعنی کوئی

آسان کام نہیں -

خدا کی سون—ہـ 'خدا کی قسم -

خراد گر—فـ 'خراد کا کام بنانے والا -

خر در کلاب—فـ 'گدھے کا کھچڑ مہن

پہنسنہ - کوئی مشکل درپیش

ہونا - دشواری -

خلجری—ہـ 'دغلی -

خلدا—ہـ 'فلندا ' اوباش قسم کا

آدمی - ہنسور -

خلد پن—ہـ 'بہبودہ ہنسی مذاق -

خلدی—ہـ 'بہتکھا - بے عزت فاحشہ
عورت -

د

دب کرنا—ہـ 'گھوڑے کو مہمیز کرنا -

اب اس معنی میں نہیں

بولتے -

دُر در کرنا—ہـ 'دور دور کرنا - پاس

نہ آنے دینا -

قرہ مندہ—ہـ 'دارھی منڈانے والا -

ت

تک—ہـ 'ذرا -

تھاتہ—ہـ ' (۱) آرائش - تجمل - شان

شوکت (۲) طریقہ (۳) ناز و

انداز (۴) دھانچا (۵) پیترا -

ج

جگ—ہـ 'زمانہ -

جگیر—ہـ 'جاگیر -

جھانچہ—ہـ ' (۱) ایک باجا جو ہاتھ

سے بجاتے ہیں ' بڑا مجھرا (۲)

تھڑی فصہ (۳) کسی چیز

کی طلب اور خواہش کی

تکلیف -

جھڑ بدلی—ہـ 'بارش کا سامان اور

زمانا -

جھلور—ہـ 'دھیر - جو ہلدوؤں کی

ایک قوم ہے پانی وغیرہ

پلاتی ہے اور مجھلیاں وغیرہ

پکڑ کر بھیجتی ہے -

جی چلانا—ہـ 'خواہش کرنا - دلہری

دکھانا - ہمت کرنا -

چ

چکے—ہـ 'مراد نر و نازہ - چہرے پر

روغن ہونا -

س

- ساجن—مراد معشوق -
 سانورا—سانولا - مراد معشوق -
 سبزی—بھنگ -
 ستارا—ایک شہر کا نام -
 ستاری—ہ، موچیوں کا ایک اوزار -
 ستی—ہ، سے -
 سبجن—ہ، معشوق -
 سربجن—ہ، مراد معشوق -
 سلام کرنے کو بایاں ہانہ اُتھانا—
 مخالفت کی علامت -
 سمین—ہ، مالا، تسبیح -
 سنگ—ہ، سانہ -
 سوسی—ہ، ایک گھٹیا سوتی کپڑا -
 سوس—ہ، قسم -
 سیتی—ہ، سے -
 سیف خانی سچ—ہ، مراد باتکی
 وضع -

ش

- شارک—ف، مینا -
 شروا—ہ، شوربا -

ط

- طرح—ف ع، طریقہ - بلہاد -
 طوسی—ف، ایک کپڑے کا نام -

- دس عقل—ہ، عقول عشرہ - وہ دس
 فرشتے جو اول پیدا ہوئے اور
 جنہوں نے دنیا بنائی -
 دل گردا—ہ، ہست، جرأت -
 دنا—ہ، دھنا، دھرنا -
 دوانہ—ہ، دیوانہ، سڑی - سودائی -
 دوپلتہ—ہ، دو پلکا - ایک قسم کا
 نگینہ -

- دعک دکھانا—ہ، دھکیاں دینا -
 دھنا، دھلیا—ہ، نداف، روئی دھنکے
 والا -

- دیا جلائی—ہ، چراغ جلانا - پہلے
 زمانے میں چراغ روشن کرنے
 کی خدمت نائیوں کے سپرد
 ہوتی تھی -
 دیہی—ہ، بدن، جسم -

ق

- قند—بازو -
 قول—قہب - قعک -

د

- دکھائی پر آنا—ہ، بدمروتی برتنا -
 رندیا—ہ، راند بیوہ -
 رمیزہ کرنا—ہ، خردہ کرنا، بھلانا -

ز

- زور—ہ، زور -

ککریزی—ایک سیامی مائل اودا
رنگ -

کلکاری—’ہ‘ ہنسی کے ساتھ زور کی
آواز - بچہ کی غوں غاں -
کمان - ’ف‘ دھنک -

کنتھا—’ہ‘ بڑے بڑے دانوں کا ایک
قسم کا ہار -

کندے دار—’ہ‘ نوکدار پگڑی -
کونجڑا—’ہ‘ ساگ پات بیچنے والا۔
کونچا—’ہ‘ بھڑبھڑے کا دانے بھوننے کا
آلہ -

کھنڈ—’ہ‘ ایک قسم کا راگ جو دھوبی
گاتے ہیں -

کھنی—’ہ‘ شرابی - افیوں کھانے والا۔

گ

گالا—’ہ‘ دھنکی ہوئی روٹی کا تکڑا -
گزار—’ہ‘ گزر -

گل پھولنا—’ہ‘ کوئی نئی یا عجیب
بات ہونا -

گلوندا—’ہ‘ مہوے کا پھل - موٹے تازے
آدمی کو اس سے مثال دیتے
ہیں -

گھر گھالنا—’ہ‘ تباہ کرنا - لوٹنا -
گھونٹنا—’ہ‘ گھونٹ گھونٹ کر کے
پینا - اس معنی میں معروک
ہے -

ع

عشقی ہے—آزاد فقہروں کا سلام -
عسدے—’ف‘ عمدہ کی جگہ - شاہی
زمانے کے بڑے عہدے دار
معتمد علیہ -

غ

غندا—’ہ‘ آوارہ، بدمعاش - بدچلن -

ف

فلد—’ہ‘ مکر -

ق

قشعریرہ—’ع‘ پھرہری - جُھر جھری -
قطبی—’ف‘ زمرہ یا نیلم کا چھوٹا
نکینہ -

قلوب المومنین—مومنوں کے دل -

ک

کان جھارنا—’ہ‘ چونکنا - چپٹنا -
تھار ہونا -

کتے—’ہ‘ کتلے -

کتے—’ہ‘ کتلے -

کٹھن—’ہ‘ دشوار -

کچ بازی—’ہ‘ تھوڑی تھوڑی باتیں
کرنا - غلط کام کرنا -

کسو—’ہ‘ کسی -

تھرا کہا بتاڑا ہے - اس معنے
میں اب متروک ہے -

ن

نام کرنا - ہ' نام رکھنا -
نائی کے - ہ' نائی کا لوکا -
نہٹ - ہ' بہت زیادہ -

نجیب - ع' شریف لوگ -

ندان - ہ' آخر کار -

نراس - ہ' نا امید -

نسیہ - ف' ادھار - قرض -

نک - ہ' ناک کا محفف -

نگتوڑا - ہ' ناز نخرے -

نمن - ہ' طرح -

نوربائی جی - ہ' گنایتاً کھیر -

نہاری - ف' صبح کے وقت جو کھانا
بازار میں تیار ہوتا ہے -

نہانی - ہ' 'لہار' پڑھیں کا ایک اوزار
نہائی -

نہانی رند - ف' چھپا ہوا رند -

نہیں - ہ' 'آنکھ' آنکھیں -

و

والشمس - ع' قرآن شریف کی ایک
سورت -

ورع - ع' پڑھنے کا راز -

و

وات کرنا - ہ' حملہ کرنا - لڑنا -

وات سے ہاتھ نہ سوجھنا - ہ' انتہائی
تاریکی -

ل

لات و ملات - دو مشہور بتوں کے نام -

لت پڑا - ہ' ڈھیرا ڈھالا -

لکن لکنا - ہ' لو لکنا - خواہش ہونا -

م

مچھی - ہ' مچھلی -

معلی - ف' شاہی معطلوں کی

خدمت گار عورتیں -

مخطط - ع' خطدار -

موائی - ع' دکھاوے کی باتیں -

مردی پکونا - ہ' مردانگی اختیار

کرنا -

مروڑ - ہ' 'انہتہ' مروڑ - تہرد -

معارک - ع' معرکہ کی جمع -

منہٹ - ع' فریاد کرنے والا -

مکر چاندنی - ہ' وہ اجالا جو صبح

صادق سے پہلے ہوتا ہے - صبح کاذب -

ملا گھری - ہ' صدلی رنگ سے مشابہ

ایک خوشبودار رنگ -

میات - ع' موت -

من دینا - ہ' جی دینا -

منہ چلگ - ہ' ایک باجا جو منہ

سے بجایا جاتا ہے -

موٹھا - ہ' کچے سوت کی آئی -

مہر نے تھرا کہا ڈھالا ہے - میں نے

